اپنی زبان

چھٹی جماعت کے لیے

विद्यया ऽ मृतमश्नुते

एन सी ई आर टी
NCERT

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

Apni Zaban,
Textbook for Class-VI

ISBN 81-7450-447-8

جُملہ حقوق محفوظ

- ناشر کی پہلے سے اجازت حاصل کیے بغیر، اس کتاب کے کسی بھی حصے کو دوبارہ پیش کرنا، یاد داشت کے ذریعے بازیافت کے سسٹم میں اس کو محفوظ کرنا یا برقیاتی، میکانیکی، فوٹو کاپینگ، ریکارڈنگ کے کسی بھی وسیلے سے اس کی ترسیل کرنا منع ہے۔
- اس کتاب کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا جارہا ہے کہ اسے ناشر کی اجازت کے بغیر، اس شکل کے علاوہ جس میں کہ یہ چھاپی گئی ہے یعنی، اس کی موجودہ جلد بندی اور سرورق میں تبدیلی کر کے، تجارت کے طور پر نہ تو مستعار دیا جاسکتا ہے، نہ دوبارہ فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تلف کیا جاسکتا ہے۔
- کتاب کے صفحہ پر جو قیمت درج ہے وہ اس کتاب کی صحیح قیمت ہے۔ کوئی بھی نظرثانی شدہ قیمت چاہے وہ ربر کی مہر کے ذریعے یا چپکی یا کسی اور ذریعے ظاہر کی جائے تو وہ غلط متصوّر ہوگی اور ناقابل قبول ہوگی۔

پہلا ایڈیشن

فروری 2006 پھالگن 1927

دیگر طباعت

دسمبر 2014 پوش 1936

مارچ 2016 چیتر 1938

اپریل 2017 چیتر 1939

فروری 2018 پھالگن 1939

PD 15T AUS

© نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، 2006

این سی ای آر ٹی کے پبلی کیشن ڈویژن کے دفاتر

این سی ای آر ٹی کیمپس
سری اروندو مارگ
نئی دہلی - 110016 **فون** 011-26562708

108,100 فٹ روڈ ہوسڈے کیرے ہیلی
ایکسٹینشن بناشنکری III اسٹیج
بنگلور - 560085 **فون** 080-26725740

نوجیون ٹرسٹ بھون
ڈاک گھر، نوجیون
احمد آباد - 380014 **فون** 079-27541446

سی ڈبلیو سی کیمپس
بمقابل ڈھانکل بس اسٹاپ، پانی ہاٹی
کولکتہ - 700114 **فون** 033-25530454

سی ڈبلیو سی کامپلیکس
مالی گاؤں
گواہاٹی - 781021 **فون** 0361-2674869

قیمت : ₹ 55.00

اشاعتی ٹیم

ہیڈ، پبلی کیشن ڈویژن : محمد سراج انور
چیف ایڈیٹر : شویتا اُپّل
چیف بزنس منیجر : گوتم گانگولی
چیف پروڈکشن آفیسر : ارون چتکارا
ایڈیٹر : سید پرویز احمد
پروڈکشن اسسٹنٹ : دیپک جیسوال

سرورق اور آرٹ
وی۔ منیشا

این سی ای آر ٹی واٹر مارک 80 جی ایس ایم کاغذ پر شائع شدہ

سکریٹری، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، شری اروندو مارگ، نئی دہلی 110 016 نے شکن پرنٹرس، 241، پٹپڑ گنج انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی 110092 میں چھپوا کر پبلی کیشن ڈویژن سے شائع کیا۔

پیش لفظ

'قومی درسیات کا خاکہ، 2005' میں سفارش کی گئی ہے کہ بچوں کی اسکول کی زندگی، ان کی باہر کی زندگی سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ یہ زاویۂ نظر کتابی علم کی اُس روایت کی نفی کرتا ہے جس کے باعث آج تک ہمارے نظام میں اسکول، گھر اور سماج کے درمیان فاصلے حائل ہیں۔ نئے قومی درسیات پر مبنی نصاب اور درسی کتابیں اسی بنیادی خیال پر عمل آوری کی ایک کوشش ہے۔ اس کوشش میں مختلف مضامین کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور رٹ کر پڑھنے کے طریقۂ کار کی حوصلہ شکنی بھی شامل ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان اقدامات سے قومی تعلیمی پالیسی (1986) میں مذکور 'تعلیم کے طفل مرکوز نظام' کی طرف مزید پیش رفت ہوگی۔

اس کوشش کی کامیابی کا انحصار ان قدامات پر ہے کہ سبھی اسکول کے پرنسپل اور اساتذہ بچوں کو اپنے تاثرات خود ظاہر کرنے اور ذہنی سرگرمیوں اور سوالوں کے ذریعے سیکھنے میں ان کی ہمّت افزائی کریں۔ ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ بچوں کو اگر موقعہ، وقت اور آزادی دی جائے تو وہ بڑوں سے حاصل شدہ معلومات سے وابستہ ہوکر، نئی معلومات مرتّب کرتے ہیں۔ آموزش کے دوسرے ذرائع اور محل وقوع کو نظرانداز کرنے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب مجوزہ درسی کتاب کو امتحان کے لیے واحد ذریعہ بنانا ہے۔ بچّوں کے اندر تخلیقی صلاحیت اور پیش قدمی کے رجحان کو فروغ دینا اُسی وقت ممکن ہے جب ہم آموزشی عمل میں بچوں کو بحیثیت شریک کار قبول کریں اور ان سے اُسی طرح پیش آئیں۔ انھیں محض مقررہ معلومات کا جانکار نہ سمجھیں۔

یہ مقاصد اسکول کے معمولات اور طریقۂ کار میں معقول تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ روزمرّہ نظام الاوقات (Time-Table) میں لچیلا پن اُسی قدر ضروری ہے جتنی کہ سالانہ کیلنڈر کے نفاذ میں سخت محنت کی تاکہ تدریس کے لیے مطلوبہ ایّام کو حقیقتاً تدریس کے لیے وقف کیا جاسکے۔ تدریس اور اندازِ قدر کے طریقوں سے بھی اس امر کا تعیّن

ہوگا کہ یہ درسی کتاب بچوں میں ذہنی تناؤ اور اکتاہٹ کا ذریعہ بننے کے بجائے ان کی اسکولی زندگی کو خوش گوار بنانے میں کس حد تک موثر ثابت ہوتی ہے۔ نصابی بوجھ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے نصاب سازوں نے مختلف سطحوں پر معلومات کی تشکیل نو اور اُسے نیا رُخ دینے کی غرض سے بچّوں کی نفسیات اور تدریس کے لیے دستیاب وقت پر زیادہ سنجیدگی کے ساتھ توجہ دی ہے۔ اس مخلصانہ کوشش کو مزید بہتر بنانے کے لیے یہ درسی کتاب سوچنے اور حیرتوں کو جگائے رکھنے، چھوٹے گروپوں میں بحث و مباحثہ کرنے اور عملاً انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو زیادہ اوّلیت دیتی ہے۔

این سی ای آر ٹی اس کتاب کے لیے تشکیل دی جانے والی ''کمیٹی برائے درسی کتاب'' کی مخلصانہ کوششوں کی شکرگزار ہے۔ کونسل زبانوں کے مشاورتی گروپ کے چیئرمین پروفیسر نامور سنگھ اور اس کتاب کے خصوصی صلاح کار پروفیسر شمیم حنفی کی ممنون ہے۔ اس درسی کتاب کی تیاری میں جن اساتذہ نے حصّہ لیا ہم ان کے متعلقہ اداروں کے بھی شکرگزار ہیں۔ ہم ان سبھی اداروں اور تنظیموں کے بھی احسان مند ہیں جنھوں نے اپنے وسائل، مآخذ اور عملے کی فراہمی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔

ہم، وزارت برائے فروغِ انسانی وسائل کے شعبے برائے ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی جانب سے پروفیسر مرنال مری اور پروفیسر جی۔ پی دیش پانڈے کی سربراہی میں تشکیل شدہ نگراں کمیٹی (مانیٹرنگ کمیٹی) کے اراکین کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت اور تعاون ہمیں دیا۔ باضابطہ اصلاح اور اپنی اشاعت کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے کے مقصد کی ایک تنظیم کے طور پر این سی ای آر ٹی تمام مشوروں اور آرا کا خیر مقدم کرتی ہے تاکہ کتاب کو مزید نظرثانی کے بعد اور زیادہ کارآمد اور بامعنی بنایا جا سکے۔

نئی دہلی
28 دسمبر 2005

ڈائریکٹر
نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

کتاب کے بارے میں

کونسل کے ذریعے پیش کی جانے والی یہ نئی درسی کتاب یعنی ''اپنی زبان'' چھٹی جماعت کے طالب علموں کو مادری زبان کے طور پر اردو پڑھانے کے لیے ہے۔ اس کا خاص مقصد طلبا کو زبان سے واقف کرانا اور مختلف قسم کی معلومات فراہم کرانا ہے۔ اس کتاب میں نثری اسباق اور شعری انتخابات اس نظر سے بھی شامل کیے گئے ہیں کہ طلبا میں آزادانہ غور وفکر کی عادت پیدا ہو۔ طلبا کی عمر، ان کی نفسیات، دلچسپی اور درجے کے معیار کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔

دورِ حاضر کی تعلیمی ضروریات کے علاوہ قومی، سماجی اور اخلاقی اقدار کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مضامین کے علاوہ کہانیاں، نظمیں، خط، سوانح اور ڈراما وغیرہ بھی اِس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ ہر سبق کے بعد مشقوں کو بناتے وقت تعمیری رویّے (Constructive approach) کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مشقیں اس طرح وضع کی گئی ہیں کہ طلبا کو نئے الفاظ اور ان کے مطالب ومفاہیم ذہن نشین ہو جائیں۔ غور کرنے کی بات اور عملی کام کے تحت طلبا کی فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عملی قواعد، جن سے زبان سے متعلق نئے نکات بھی بتدریج سامنے آتے رہیں، صرف ونحو کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا رہے اور معیاری اردو سمجھنے بولنے اور لکھنے کی عادت بھی مستحکم ہو جائے۔ اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ کثیر لسانی عمل نیز ہندوستانی سماج اور ہندوستانی تہذیب کا مکمل عکس بھی ابھر کر سامنے آجائے۔ قومی ثقافتی ورثے، ہندوستانی آئین کے مزاج، مشترکہ اقدار اور ماحولیات سے بھی طلبا کو واقف کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

طلبا پر نصاب کا بوجھ زیادہ نہ ہو، اس لیے کتاب کی ضخامت کم رکھی گئی ہے۔ کتاب کی تیاری کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جو اردو اساتذہ، ماہرین اور ایک خصوصی صلاح کار پر مشتمل تھی۔ ان سبھی کے اشتراک وتعاون سے

اس کتاب کو آخری شکل دی گئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مطلوبہ معیار کے مطابق طلبا صحیح اردو سیکھ سکیں گے اور اپنے ادب سے بھی روشناس ہو سکیں گے۔ یہی نہیں، بلکہ وہ اردو کی بعض دوسری کتابوں کا مطالعہ کرنے میں بھی دلچسپی لیں گے۔ اردو اساتذہ سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب سے متعلق اپنے عملی اور تدریسی تجربات کی روشنی میں ہمیں اپنے مشوروں سے نوازیں تاکہ آئندہ اس کتاب کو مزید بہتر بنایا جا سکے۔

کمیٹی برائے معاون درسی کتاب

چیئرمین، مشاورتی کمیٹی برائے زبان

نامور سنگھ، پروفیسر ایمرٹس، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

خصوصی صلاح کار

شمیم حنفی، ریٹائرڈ پروفیسر، جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی

چیف کوآرڈی نیٹر

رام جنم شرما، سابق پروفیسر اور ہیڈ، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اِن لینگو یجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

اراکین

خالد محمود، پروفیسر (ریٹائرڈ)، شعبۂ اُردو، جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی

زبیدہ حبیب، ایسوسی ایٹ پروفیسر (ریٹائرڈ)، ٹی ٹی آئی کالج، جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی

محمد کلیم ضیا، ریڈر اور صدر شعبۂ اردو، اسمٰعیل یوسف کالج آف آرٹس اینڈ کامرس، ممبئی، مہاراشٹر

احمد محفوظ، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی

عمر غزالی، لیکچرر، مولانا آزاد کالج، کولکاتا، مغربی بنگال

محمد علیم الدین، پی جی ٹی اُردو، ریٹائرڈ، اینگلو عربک سینیئر سیکنڈری اسکول، اجمیری گیٹ، دہلی

عائشہ خاتون، پی جی ٹی اُردو، ریٹائرڈ، جامعہ سینیئر سیکنڈری اسکول، نئی دہلی

محمد عارف عثمانی، ٹی جی ٹی اُردو، ریٹائرڈ، اینگلوعربک سینیئر سیکنڈری اسکول، اجمیری گیٹ، دہلی

افروز جہاں، ٹی جی ٹی اُردو، گورنمنٹ گرلز سینیئر سیکنڈری اسکول، چشمہ بلڈنگ، بلی ماران، دہلی

شیخ زین العابدین، ٹیچر اُردو، مسلم ہائر سیکنڈری اسکول، ٹرپلیکین، چنئی، تامل ناڈو

ممبر کوآرڈی نیٹر

چمن آرا خاں، اسسٹینٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اِن لینگو یجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

اظہارِ تشکر

اس کتاب میں سیماب اکبرآبادی، تلوک چند محروم، اختر شیرانی کی نظمیں، شوکت تھانوی کا ڈراما اور ڈاکٹر ذاکر حسین اور بدمارا اؤ کی کہانیاں شامل ہیں۔ کونسل ان سبھی کی شکر گذار ہے۔ اس کتاب کی تیاری کے لیے کونسل ان حضرات کی بھی شکر گذار ہے : پروف ریڈر عظیم الدین صدیقی، کاپی ایڈیٹر ارشاد احمد، فری لانسر کاپی ایڈیٹر اظہار ندیم اور ڈی ٹی پی آپریٹر زنرگس اسلام، خالدہ تبسم، معراج احمد اور کمپیوٹر اسٹیشن انچارج پرش رام کوشک۔

ترتیب

پیش لفظ			*iii*
اِس کتاب کے بارے میں			*v*
کمیٹی برائے معاون درسی کتاب			*vii*
اظہارِ تشکر			*ix*
1. مٹّی کا دیا	(نظم)	الطاف حسین حالؔی	1
2. ایک خط		پنڈت جواہر لعل نہرو	5
3. عقل مند کسان			11
4. ایک پہاڑ اور گلہری	(نظم)	اقبالؔ	17
5. حضرت محمدؐ			21
6. آسمانی دوست		پد ماراؤ	29
7. ذرّوں کو بھی انسان بنا دو	(نظم)	سیمابؔ اکبر آبادی	39
8. گاندھی جی		حامد اللہ افسؔر	43
9. گھوڑے اور ہرن کی کہانی			49
10. پہلے کام، بعد آرام	(نظم)	تلوک چند محرؔوم	55
11. عیدگاہ		پریم چند	59
12. رابندر ناتھ ٹیگور		مولوی عبدالحق	73
13. بارش کا پہلا قطرہ	(نظم)	اسمٰعیلؔ میرٹھی	81

14. ہمارے تہوار			85
15. کابلی والا		رابندرناتھ ٹیگور	95
16. او صبح کے ستارے	(نظم)	اختر شیرانی	103
17. ہمارے ایک مشہور سائنس داں			107
18. ہوائی قلعے		شوکت تھانوی	111
19. پیامِ عمل	(نظم)	محمد فاروق دیوانہ	121
20. آخری قدم		ڈاکٹر ذاکر حسین	125

مٹّی کا دِیا

جھُٹ پُٹے کے وقت گھر سے ایک مٹّی کا دِیا
ایک بُڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا
تا کہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دِیا بہتر ہے اُن جھاڑوں سے اور فانوس سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اِک ذرا محلوں سے باہر دیکھیے
ہے اندھیرا گھُپ در و دیوار پر چھایا ہوا
سُرخ رُو آفاق میں وہ رہ نما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاّحوں کے بیڑے پار ہیں

الطاف حسین حالیؔ

معنی یاد کیجیے

جھُٹ پُٹے کے وقت	:	سورج ڈوبنے کے وقت، شام کے وقت
سرِ رہ	:	راستے میں
رہ گیر	:	راستہ چلنے والا، راہی
پردیسی	:	مسافر، دوسری جگہ کا رہنے والا
جھاڑ	:	شیشے کا بنا ہوا ایک قسم کا شمع دان
فانوس	:	چراغ کی حفاظت کرنے والا شیشہ، چمنی
سدا	:	ہمیشہ
سُرخ رُو	:	کامیاب
آفاق	:	اُفق کی جمع، دُنیا، کائنات
رہ نما مینار	:	وہ روشن مینار جو سمندروں میں جہازوں اور کشتیوں کو راستہ دکھانے میں مدد کرتے ہیں۔
ملّاح	:	کشتی چلانے والا
بیڑے	:	جہازوں اور کشتیوں کا قافلہ
بیڑا پار ہونا	:	منزل پر پہنچنا، کامیاب ہونا

سوچیے اور بتایئے

1. بڑھیا نے مٹّی کا دِیا کس وقت روشن کیا؟
2. راستے میں مٹّی کا دِیا روشن کرنے کا کیا مقصد تھا؟

3. مٹّی کا دِیا جھاڑ اور فانوس سے بہتر کیوں ہے ؟
4. محلوں کے باہر اندھیرا ہونے سے شاعر کی کیا مراد ہے ؟
5. رات میں ملّاحوں کو راستہ دکھانے میں کون سی چیز مدد کرتی ہے ؟
6. دوسروں کی بھلائی کے لیے ہم کیا کیا کام کر سکتے ہیں ؟

ان لفظوں کے متضاد لکھیے

آسان بہتر روشنی محل اندھیرا

مصرعے مکمل کیجیے

1. جُھٹ پُٹے کے وقت ـــــــ سے ایک مٹّی کا دیا
2. تا کہ رہ گیر اور ـــــــ کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
3. راہ سے ـــــــ گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
4. روشنی سے جن کی ـــــــ کے بیڑے پار ہیں

املا درست کیجیے

بُڑیا آصان فانوص پردیصی مہلوں بہطر صُرخ

لکھیے

1. اس نظم کا مطلب اپنے لفظوں میں لکھیے
2. آپ نے بھلائی کا کوئی کام ضرور کیا ہوگا، اسے اپنے الفاظ میں لکھیے

کالم 'الف' اور کالم 'ب' کے مصرعوں کو ملا کر صحیح شعر لکھیے

(ب)	(الف)
تاکہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں	جُھٹ پُٹے کے وقت گھر سے ایک مٹّی کا دیا
ایک بُڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا	راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دِیا بہتر ہے اُن جھاڑوں سے اور فانوس سے	روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا

غور کرنے کی بات

- آپ نے پڑھا کہ مٹی کے معمولی دیے سے راہ گیروں کو کتنا فائدہ ہوا۔ وہ ٹھوکر کھانے سے بچ گئے اور دیے کی تھوڑی سی روشنی میں انھوں نے آسانی سے راستہ پار کرلیا۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ لوگوں کی مدد کرنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لیے بہت زیادہ قیمتی چیزوں اور روپے پیسے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مدد کرنے کے جذبے اور دردمند دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ بڑا آدمی وہی ہے جو دوسروں کے کام آئے۔

ایک خط

(پنڈت جواہر لعل نہرو کا خط، اپنی بیٹی اندرا کے نام)

نینی سینٹرل جیل، الہ آباد
26 اکتوبر 1930ء

پیاری بیٹی!

تمھیں اپنی سال گرہ کے موقع پر تحفے اور نیک خواہشات ملتی ہی رہی ہیں۔ نیک خواہشات کی تو اب بھی کوئی کمی نہیں۔ لیکن میں نینی جیل سے تمھارے لیے کیا تحفہ بھیج سکتا ہوں؟ نیک خواہشات کا تعلق تو دل سے ہے، جیسے کوئی پری تمھیں یہ سب کچھ دے رہی ہو۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنھیں جیل کی اونچی دیواریں بھی نہیں روک سکتیں۔

تم خوب جانتی ہو کہ مجھے نصیحت کرنے سے کتنی نفرت ہے۔ جب کبھی میرا جی چاہنے لگتا ہے کہ نصیحت کروں تو ہمیشہ اُس ''عقل مند'' کی کہانی یاد آجاتی ہے جو میں نے کبھی پڑھی تھی۔ شاید ایک دن تم بھی وہ کتاب پڑھو جس میں یہ کہانی بیان کی گئی ہے۔

کوئی تیرہ سو برس گزرے کہ ملک چین سے ایک سیّاح، علم و دانش کی تلاش میں ہندوستان آیا۔ اس کا نام ہیوُن سانگ تھا۔ وہ شمال کے پہاڑ اور ریگستان طے کرتا ہوا یہاں پہنچا۔ اُسے علم کا اتنا شوق تھا کہ راستے میں اُس نے سیکڑوں مصیبتیں اٹھائیں اور ہزاروں خطروں کا مقابلہ کیا۔ وہ ہندوستان میں بہت دن رہا۔ خود سیکھتا تھا اور دوسروں کو سکھاتا تھا۔ اس کا زیادہ تر وقت نالندہ وِدّیا پیٹھ میں گزرا جو شہر پاٹلی پُتر کے قریب واقع تھی۔ اُس شہر کو اب پٹنہ کہتے ہیں۔

ہیوُن سانگ پڑھ لکھ کر بہت قابل ہو گیا۔ حتّٰی کہ اُس کو فاضلِ قانون (بُدھ مَت) کا خطاب دیا گیا۔ پھر اُس نے

سارے ہندوستان کا سفر کیا۔ اس عظیم الشّان ملک کے باشندوں کو دیکھا بھالا اور اُن کے بارے میں پوری معلومات حاصل کیں۔ اِس کے بعد اس نے اپنا سفر نامہ لکھا۔ اُس کتاب میں وہ کہانی بھی شامل ہے جو اس وقت مجھے یاد آئی :

یہ ایک شخص کا قصّہ ہے جو جنوبی ہند سے شہر ''کرنا سونا'' میں آیا۔ یہ شہر صوبہ بہار، بھاگل پور کے آس پاس کہیں تھا ہیُون سانگ نے سفر نامے میں لکھا ہے کہ ایک شخص اپنے پیٹ کے چاروں طرف تانبے کی تختیاں باندھے رہتا تھا۔ سر پر ایک جلتی ہوئی مشعل رکھتا تھا۔ ہاتھ میں ڈنڈا لیے ہوئے اکڑ اکڑ کر چلتا تھا اور اس عجیب و غریب انداز میں بڑی شان سے اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا تھا۔ جب کوئی اس سے پوچھتا کہ آخر آپ نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے؟ تو وہ جواب دیتا کہ ''میرے اندر بے حساب علم بھرا ہوا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرا پیٹ نہ پھٹ جائے۔ اس لیے میں نے اپنے پیٹ پر تانبے کی تختیاں باندھ رکھی ہیں۔ اور چوں کہ تم سب لوگ جہالت کے اندھیرے میں رہتے ہو، مجھے تم پر ترس آتا ہے، اس لیے، میں ہر وقت اپنے سر پر مشعل لیے پھرتا ہوں۔''

ہاں تو مجھے ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ بہت زیادہ علم و حکمت سے پھٹ جاؤں، اس لیے مجھے اپنے پیٹ پر تانبے کی تختیاں باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میری عقل میرے پیٹ میں نہیں ہے، بلکہ جہاں کہیں بھی ہو، اُس میں اتنی گنجائش ہے کہ بہت کچھ اور سما سکے۔ اور جب میری عقل محدود ہے تو میں کیسے ایک عقل مند آدمی

بن کر دوسروں کو مشورہ دوں۔ اسی لیے یہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط، کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے اور اس بحث مباحثے سے کبھی کبھی کوئی سچائی نکل آتی ہے۔

اس لیے میں نصیحت نہیں کروں گا۔ پھر کیا کروں۔ خط باتوں کی جگہ نہیں لے سکتا، کیونکہ یہ یک طرفہ ہوتا ہے۔ اس لیے میں اگر کوئی بات کہوں اور وہ تم کو نصیحت لگے، تو اُسے کڑوی گولی سمجھ کر مت نگلو۔ بس یہ سمجھو کہ میں تم کو مشورہ دے رہا ہوں، اور گویا ہم تم آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

میں نے تم کو لمبا سا خط لکھ ڈالا، ابھی بہت سی باتیں باقی ہیں، اتنی باتیں اِس خط میں کیسے آسکتی ہیں!

تم بڑی خوش قسمت ہو کہ اپنے ملک کی آزادی کی جِدّو جہد کو دیکھ رہی ہو۔ تم اس لحاظ سے بھی خوش قسمت ہو کہ ایک بہادر عورت تمھاری ماں ہے۔ اگر تم کو کبھی کسی بات میں شبہ ہو اور یا تم کسی پریشانی میں ہو تو تم کو ماں سے بہتر ساتھی نہیں مل سکتا۔

خدا حافظ بیٹی! —— میری دُعا ہے کہ تم ایک دن بہادر سپاہی بنو اور ہندوستان کی خدمت کرو۔

محبّت اور نیک خواہشات کے ساتھ

جواہر لعل نہرو

معنی یاد کیجیے

نینی جیل	:	الٰہ آباد کی ایک جیل
سیّاح	:	جگہ جگہ سیر کرنے والا، ملکوں ملکوں گھومنے والا
علم	:	واقفیت، معلومات
دانش	:	عقل، سمجھ
نالندہ ودیا پیٹھ	:	پرانے زمانے کی ایک یونیورسٹی جو پاٹلی پُتر، پٹنہ کے قریب تھی
پاٹلی پُتر	:	موجودہ نام پٹنہ
فاضلِ قانون	:	قانون کو جاننے والا، ماہرِ قانون
بدھ مت	:	بدھ مذہب

عظیم الشان	:	بڑی شان والا، اعلا (اعلیٰ)
سفرنامہ	:	وہ تحریر جس میں سفر کے حالات بیان کیے گئے ہوں
شبہ	:	شک
اندیشہ	:	خطرہ، ڈر
جہالت	:	نہ جاننا، علم کا نہ ہونا، ناواقفیت
ترس	:	رحم
مشعل	:	وہ ڈنڈا جس کے ایک سرے پر کپڑا لپیٹ کر جلایا جاتا ہے اور اس سے روشنی کی جاتی ہے، چراغ
علم وحکمت	:	عقل مندی، دانش مندی
گنجائش	:	سمائی، جگہ
محدود	:	حد کے اندر، تنگ
بحث ومباحثہ	:	بحث وتکرار
جِدّوجہد	:	سخت کوشش

سوچیے اور بتائیے

1. پنڈت جواہر لعل نہرو کون تھے؟
2. پنڈت نہرو نے یہ خط کس کے نام اور کہاں سے لکھا؟
3. جواہر لعل نہرو نے نصیحت کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا؟
4. چینی سیّاح کا کیا نام تھا؟
5. چینی سیّاح ہندوستان کیوں آیا؟
6. چینی سیّاح کو علم حاصل کرنے کے لیے کن حالات سے گزرنا پڑا؟
7. ہندوستان میں چینی سیّاح کا زیادہ وقت کہاں گزرا؟

8. ہیوُن سانگ نے اپنے سفرنامے میں ایک شخص کو عجیب وغریب کیوں کہا ہے؟
9. اس واقعے کا ذکر کرکے پنڈت نہرو اپنی بیٹی کو کیا سبق دینا چاہتے تھے؟

خالی جگہ کو صحیح لفظ سے بھریے

1. ——— کا تعلق تو دل سے ہے۔
2. چین کا ایک سیّاح ——— کی تلاش میں ہندوستان آیا۔
3. ——— پڑھ لکھ کر بہت قابل ہوگیا۔
4. اس کو ——— کا خطاب دیا گیا۔
5. اس کے بعد اس نے اپنا ——— لکھا۔
6. یہ شخص اپنے پیٹ کے چاروں طرف ——— باندھے رہتا تھا۔
7. میں ہر وقت اپنے سر پر ——— لیے پھرتا ہوں۔
8. اپنے ملک کی آزادی کی ——— کو دیکھ رہی ہو۔

نیچے دیے ہوئے جملوں کو صحیح ترتیب سے لکھیے

1. میرے اندر بے حساب علم بھرا ہوا ہے۔
2. میں نینی جیل سے تمھارے لیے کیا تحفہ بھیجوں۔
3. اور جب میری عقل محدود ہے تو میں کیسے ایک عقل مند آدمی بن کر دوسروں کو مشورہ دوں۔
4. ملک چین سے ایک سیّاح علم و دانش کی تلاش میں ہندوستان آیا۔
5. تم ایک دن بہادر سپاہی بنو اور ہندوستان کی خدمت کرو۔
6. اس کا زیادہ وقت نالندہ ودیا پیٹھ میں گزرا جو شہر پاٹلی پُتر کے قریب واقع تھی۔
7. اس کے بعد اس نے اپنا سفرنامہ لکھا۔
8. ہیوُن سانگ پڑھ لکھ کر بہت قابل ہوگیا۔

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے

سیّاح عظیم الشان علم وحکمت بحث ومباحثہ مشعل

لکھیے

اپنے دوست کو ایک خط لکھیے جس میں اس خط کی کہانی کا ذکر ہو۔

یاد رکھیے

پاٹلی پُتر کا نیا نام ''پٹنہ'' ہے۔ یہ شہر بہار کی راجدھانی ہے۔

غور کرنے کی بات

- خط کو مکتوب بھی کہتے ہیں۔ اس کا تعلق دو لوگوں سے ہوتا ہے۔ ایک خط لکھنے والا جسے مکتوب نگار کہتے ہیں اور جسے خط لکھا جائے وہ مکتوب الیہ کہلاتا ہے۔ اس خط میں مکتوب نگار پنڈت جواہر لعل نہرو اور مکتوب الیہ ان کی بیٹی اِندرا ہیں۔

عقل مند کسان

پُرانے زمانے میں بھارت میں ایک راجا راج کرتا تھا۔ یہ راجا بہت رحم دل تھا۔ اس کے راج میں سب خوش تھے۔ راجا اپنی پرجا کی حالت دیکھنے کے لیے کبھی کبھی محل سے باہر نکلا کرتا۔ سب لوگ راجا کی عزت کرتے تھے۔ ایک دن راجا گھومنے گیا۔ راستے میں اُسے ایک کسان دکھائی دیا۔ کسان اپنے کھیت پر کام کر رہا تھا۔

راجا اس کے کھیت پر گیا۔ اس کھیت میں کسان نے گیہوں بو رکھے تھے۔ کھیت بہت ہرا بھرا تھا۔ راجا کھیت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے کسان سے جا کر پوچھا ''تم اس کھیت سے کتنا کما لیتے ہو؟''

کسان نے جواب دیا'' حضور بس یہ سمجھ لیجیے ایک روپیہ روز کے حساب سے پڑ جاتا ہے۔''

''اچھا ایک روپیہ روز۔ تو پھر تم اس ایک روپیہ کا کیا کرتے ہو؟'' راجا نے پوچھا۔

''جی اس ایک روپیہ میں چار آنے تو روز کھا لیتا ہوں۔ چار آنے کا قرض اتارتا ہوں اور چار آنے

قرض دیتا ہوں ۔ اب باقی بچے چار آنے تو انھیں کنویں میں پھینک دیتا ہوں ۔ ''

راجا کسان کی بات سُن کر حیران ہوا، اس سے پوچھا '' میں تمھاری بات کا مطلب نہیں سمجھا ۔ مجھے اس کا مطلب بتاؤ ۔'' کسان نے ہاتھ جوڑ کر کہا '' حضور اس کا مطلب یہ ہے کہ چار آنے جو کھاتا ہوں وہ تو میرے اوپر اور میری بیوی پر خرچ ہوتے ہیں، چار آنے کا جو میں قرض اتارتا ہوں اس کا مطلب ہے کہ چار آنے میں اپنے ماں اور باپ پر خرچ کرتا ہوں ۔ اُنھوں نے مجھے پالنے پوسنے پر جو خرچ کیا تھا وہ مجھ پر قرض ہے ۔ چار آنے جو قرض دیتا ہوں وہ میں اپنے بچّوں پر خرچ کرتا ہوں تاکہ جب بوڑھا ہو جاؤں تو وہ میری خدمت کر سکیں ۔ چار آنے جو کنویں میں پھینکتا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں اتنا خیرات کرتا ہوں ۔ '' راجا یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوا ۔ اس نے کسان کو انعام دیا اور کہا '' دیکھو جب تک تم میرا منھ سو بار نہ دیکھ لو اس بات کو کسی کو نہ بتانا ۔ '' کسان نے وعدہ کر لیا ۔ راجا اپنے محل واپس چلا آیا ۔

اگلے دن اس نے یہ بات درباریوں کو بتائی اور اس نے سب سے اس کا مطلب پوچھا، مگر کوئی بھی اس کا مطلب نہ بتا سکا ۔ وزیر بہت ہوشیار تھا ۔ اس نے راجا سے کہا '' سرکار کل میں اس کا مطلب آپ کو بتا دوں گا ۔ ''

وزیر اسی دن اس کسان کے پاس گیا اور اس سے اس کی بات کا مطلب پوچھا ۔ کسان نے کہا '' راجا نے مجھے منع کیا

ہے۔ میں جب تک سو بار اس کا منھ نہ دیکھ لوں تمھیں اس کا مطلب نہیں بتا سکتا۔''

وزیر نے کہا'' کوئی ترکیب بتاؤ، میں راجا سے وعدہ کر چکا ہوں کہ کل اُسے اس کا مطلب ضرور بتاؤں گا۔''

کسان کچھ دیر تک تو سوچتا رہا اور پھر اس نے کہا'' ایک ترکیب ہے، تم مجھے سو اشرفیاں دو، میں تمھیں یہ بات بتا دوں گا۔'' وزیر اس کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے کسان کو اسی وقت سو اشرفیاں دے دیں، کسان بہت خوش ہوا اور اس نے وزیر کو سب کچھ بتا دیا۔ اگلے دن دربار میں راجا نے وزیر سے کسان کی بات کا مطلب پوچھا تو وزیر

نے کسان کی بات کا ٹھیک ٹھیک مطلب بتا دیا۔ راجا کو کسان پر بہت غصّہ آیا۔ اس نے فوراً سپاہی بھیج کر کسان کو دربار میں بُلا بھیجا۔ کسان دربار میں آیا تو راجا نے کہا'' تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ کسی کو اپنی بات کا مطلب نہیں بتاؤ گے لیکن تم نے وزیر کو سب کچھ بتا دیا۔ تم نے وعدہ خلافی کیوں کی؟ کسان نے کہا'' سرکار آپ سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک میں آپ کا منھ سو مرتبہ نہ دیکھ لوں اس راز کو کسی سے نہ بتاؤں۔''

’’ہاں ٹھیک ہے مگر تم نے ایک مرتبہ بھی میرا منھ نہیں دیکھا۔‘‘ ’’نہیں سرکار میرے پاس سو اشرفیاں ہیں۔ ان پر آپ کی تصویر بنی ہے۔ میں نے سو اشرفیوں کو دیکھ کر ہی یہ بات بتائی ہے۔‘‘

راجا کسان کی عقل مندی پر بہت خوش ہوا اور اس نے اُسے سو اشرفیاں اور انعام میں دیں۔

کسان خوش خوش راجا کو دعائیں دیتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

لوک کہانی

معنی یاد کیجیے

راج	:	حکومت
پرجا	:	عوام
خیرات	:	ثواب کی نیت سے کچھ دینا
قرض	:	اُدھار
راز	:	بھید
وعدہ خلافی	:	وعدے سے پِھر جانا
دربار	:	شاہی عدالت
درباری	:	دربار میں حاضری دینے والے
اشرفی	:	سونے کا سِکّہ

سوچیے اور بتایئے

1. راجا محل سے باہر کیوں نکلتا تھا؟
2. راجا نے کسان سے کیا سوال کیا؟
3. کسان ایک روپیہ کس طرح خرچ کرتا تھا؟

4. کسان نے ایک روپے کے خرچ کا کیا مطلب بتایا؟
5. راجا کو کسان پر کیوں غصّہ آیا؟
6. کسان نے راجا سے کیا وعدہ کیا تھا؟
7. کسان نے اپنا وعدہ کس طرح نبھایا؟

خالی جگہ کو صحیح لفظ سے بھریے

1. پرانے زمانے میں بھارت میں ایک راجا ——— کرتا تھا۔
2. کسان اپنے ——— پر کام کر رہا تھا۔
3. ——— روز کے حساب سے پڑ جاتا ہے۔
4. ——— اسی دن کسان کے پاس گیا۔
5. مجھے سو ——— دو میں تمھیں یہ بات بتا دوں گا۔
6. کسان خوش خوش راجا کو ——— دیتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

صحیح جملے پر صحیح ☑ اور غلط پر غلط ☒ کا نشان لگایئے

1. راجا بہت رحم دل تھا۔ ( )
2. کسان نے کھیت میں چاول بو رکھے تھے۔ ( )
3. کسان روزانہ پانچ روپے کماتا تھا۔ ( )
4. وزیر نے کہا سرکار کل میں اس کا مطلب آپ کو بتا دوں گا۔ ( )
5. وزیر نے کسان کو ہزار اشرفیاں دیں۔ ( )

نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے

ہرا بھرا قرض خرچ خدمت ترکیب غصّہ وعدہ خلافی

ان لفظوں کے متضاد لکھیے

رحم دل بوڑھا عزّت ہوشیار خوش

غور کرنے کی بات

- راجا کسان کی بات سن کر حیران ہوا۔
- راجا کو کسان پر بہت غصّہ آیا۔

ان دو جملوں میں ''کی'' اور ''کو'' استعمال ہوا ہے۔ یہ ایسے لفظ ہیں جن کے الگ معنی نہیں، لیکن یہ دو لفظوں کے درمیان ایسا تعلق قائم کرتے ہیں کہ یہ اگر نہ ہوں تو سارا جملہ بے ربط ہو جاتا ہے۔ قواعد میں انھیں حروفِ ربط کہتے ہیں۔

- حضور، سرکار، مہاراج وغیرہ کلمے عزت اور احترام کے لیے بولے جاتے ہیں۔
- کسان اپنی کمائی کا ایک حصہ ماں باپ پر ضرور خرچ کرتا تھا۔
- آپ نے دیکھا کہ راجا، کسان اور وزیر کی بات چیت کے شروع اور آخر میں دو چھوٹے چھوٹے سیدھے الٹے واؤ ''و'' بنے ہوئے ہیں انھیں واوین کہتے ہیں۔ مثلاً ''تم اس کھیت سے کتنا کما لیتے ہو۔''

ایک پہاڑ اور گلہری

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے
تجھے ہو شرم، تو پانی میں جا کے ڈوب مَرے

ذرا سی چیز ہے، اِس پر غرور! کیا کہنا!
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور! کیا کہنا!

خدا کی شان ہے ناچیز، چیز بن بیٹھیں!
جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں!

تِری بساط ہے کیا میری شان کے آگے؟
زمیں ہے پست مِری آن بان کے آگے

جو بات مجھ میں ہے، تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں!
بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!

کہا یہ سن کے گلہری نے، منھ سنبھال ذرا
یہ کچّی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ذرا!

جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے — کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے — مجھے درخت پہ چڑھنا سِکھا دیا اُس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں — نِری بڑائی ہے خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہُنر دکھا مجھ کو — یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز نِکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اقبالؔ

معنی یاد کیجیے

غرور : گھمنڈ
شعور : سمجھ،عقل
بِساط : حیثیت
پَست : نیچا، گِرا پڑا
آن بان : شان وشوکت، رکھ رکھاؤ
نصیب : قسمت، تقدیر
قدرت : طاقت، خدا کی شان
حکمت : عقل مندی، خدا کی مرضی
نِری : صِرف
ہُنر : کمال
نِکمّی : ناکارہ، جو کسی کام کی نہ ہو

سوچیے اور بتایئے

1. پہاڑ نے گلہری سے کیا کہا؟
2. پہاڑ نے اپنی بڑائی کن باتوں سے ظاہر کی؟
3. گلہری نے پہاڑ کی باتیں سن کر کیا کہا؟
4. گلہری میں کیا خوبی ہے جو پہاڑ میں نہیں ہے؟
5. خدا کی حکمت کن باتوں سے ظاہر ہوتی ہے؟

خالی جگہ کو بریکٹ میں دیے ہوئے صحیح لفظ سے بھریے

1. تجھے ہو شرم، تو ——— میں جا کے ڈوب مَرے (دریا، پانی)
2. خدا کی شان ہے ناچیز چیز ——— بیٹھیں (بَن، کر)
3. ترِی بساط ہے کیا میری ——— کے آگے؟ (آن، شان)
4. بھلا پہاڑ کہاں، جانور ——— کہاں؟ (غریب، امیر)
5. نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح ——— (موٹا، چھوٹا)
6. ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی ——— ہے (عظمت، قدرت)
7. کوئی ——— نہیں قدرت کے کارخانے میں (برا، بڑا)

نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے

شرم غرور شعور نصیب قدرت حکمت طاقت

واحد الفاظ سے جمع بنایئے

چیز نصیب گلہری خوبی غریب درخت جانور حکمت

ان لفظوں کے متضاد لکھیے

بےشعور باتمیز خوبی پست زمین غریب چھوٹا

مصرعوں کو مکمل کیجیے

1. ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور! کیا کہنا ____________________
2. ____________________ جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں
3. ____________________ کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے
4. بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے ____________________
5. نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں ____________________

لکھیے

پہاڑ اور گلہری کی گفتگو اپنی زبان میں لکھیے

غور کرنے کی بات

- لفظ چیز کے معنی تو آپ جانتے ہی ہیں۔لیکن شاعر نے اس نظم میں لفظ ''ناچیز'' استعمال کیا ہے۔اس کا مطلب ہے جس کی کوئی عزّت یا حیثیت نہ ہو۔
- لفظ ناچیز انکسار اور عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔جیسے ناچیز کی کیا مجال جو آپ کے سامنے زبان کھولے۔لفظ ''ناچیز'' کا استعمال ہمیشہ اپنے لیے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

تدریسی اشارے : اس نظم کو ڈرامائی انداز میں بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

حضرت محمدؐ

عرب کے شہر مکّہ میں اب سے کوئی ساڑھے چودہ سو سال پہلے پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کی ولادت ہوئی۔ آپؐ کی پیدائش سے کچھ مہینے پہلے آپؐ کے والد عبداللہ کا انتقال ہو گیا تھا، اِس لیے آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے آپؐ کی پرورش کی۔ جب آپ چھے سال کے تھے، تو آپؐ کی والدہ بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا۔ آٹھواں سال تھا کہ دادا بھی وفات پا گئے۔ پھر چچا ابو طالب نے آپؐ کی سرپرستی کی۔ ذرا بڑے ہو کر آپؐ نے تجارت کی طرف توجّہ کی اور بڑی محنت، دیانت اور سچّائی سے کاروباری مُعاملات کیے۔ آپ اس قدر ایماندار تھے کہ لوگ آپؐ کو ”امین“ یعنی ”امانت والا“ اور ”صادق“ یعنی ”سچّا“ کہہ کر پکارنے لگے تھے۔ آپؐ نہ کبھی جھوٹ بولتے، نہ کسی کو دھوکا دیتے، نہ لین دین کے معاملے میں ٹال مٹول اور نہ کسی بات پر جھگڑتے تھے۔ جو وعدہ کر لیتے، اُس کو پورا کرتے، چاہے اُس میں تکلیف اُٹھانی پڑے یا اپنا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

اگر کہیں جھگڑا ہو جاتا، تو لوگ فیصلے کے لیے آپؐ کے پاس آتے۔ اُسی زمانے میں کعبہ کی عمارت کو نئے سِرے

سے تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ کعبہ تمام عرب میں سب سے زیادہ پاک اور محترم جگہ سمجھی جاتی تھی، اِس لیے مکّہ میں جتنے قبیلے تھے، سب چاہتے تھے یہ کام ہم ہی کریں۔ جھگڑے سے بچنے کے لیے مختلف حصّوں کی تعمیر مختلف قبیلوں کے سپرد کر دی گئی۔ سب نے خوشی خوشی اپنے حصّے کا کام پورا کیا، لیکن حجرِ اسود نصب کرنے کے سلسلے میں ایک مشکل آن پڑی ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ عزّت ہمارے حصّے میں آئے اور عمارت میں حجرِ اسود کو ہمارے ہی آدمی اُٹھا کر اُس جگہ لگائیں۔ کئی روز تک جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر طے پایا کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبے میں داخل ہو، وہ اس کا فیصلہ کرے، یا خود ہی حجرِ اسود کو اُس کی جگہ پر نصب کر دے۔

جانتے ہو اگلے روز کعبے میں سب سے پہلے داخل ہونے والا کون تھا؟ یہ حضرت محمدؐ تھے۔ سب پُکار اُٹھے: ''لو وہ امین آ گئے، اب یہی اِس جھگڑے کا فیصلہ کریں گے۔'' اور پھر آپؐ کے فیصلے نے واقعی سب کو خوش کر دیا۔ آپؐ نے کہا: ''ایک بڑی اور مضبوط چادر لاؤ۔'' چادر لائی گئی، تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے حجرِ اسود اُٹھا کر اس پر رکھا، پھر فرمایا: ''ہر قبیلے کا سردار آگے بڑھے اور اس چادر کا ایک ایک سرا اپنے ہاتھوں میں تھام لے۔'' اِس طرح وہ لوگ حجرِ اسود کو کعبے کی دیوار کے پاس لے گئے۔ پھر آپؐ نے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اسے صحیح جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح ایک بڑا جھگڑا ختم ہو گیا، سب خوش ہو گئے، مِل جُل کر کام کرنے کی برکت ہر ایک کی سمجھ میں آ گئی۔

کاروبار سے فرصت پا کر آپؐ اکثر مکّہ کے پاس پہاڑیوں میں چلے جاتے اور وہاں غارِ حرا میں اکیلے چپ چاپ عبادت کرتے اور غور و فکر فرماتے۔ چالیس سال کی عمر میں آپؐ نے انسانوں کو خدا کا پیغام سُنایا اور اُنھیں بُرائیوں کو چھوڑنے اور اچھی باتوں کو ماننے کی دعوت دی۔ جس کتاب میں خدا کا یہ مکمّل پیغام ہے اُسے قرآن کہتے ہیں۔

جس زمانے میں حضرت محمدؐ نے اپنے پیغمبر ہونے کا اعلان کیا، عرب کی حالت بہت خراب تھی۔ اکثر عربوں کی زندگی قتل اور لوٹ مار میں گزرتی تھی۔ پورا عرب قبیلوں میں بٹا ہوا تھا۔ یہ قبیلے بہت معمولی باتوں پر آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ لڑائی دادا کے زمانے میں شروع ہوتی تھی تو پوتوں اور پر پوتوں تک چلتی رہتی تھی۔ جب تک ایک قبیلہ ختم نہ ہو جاتا لڑائی چلتی رہتی تھی۔ صلح کا کوئی خانہ نہ تھا۔

حضرت محمدؐ نے سب مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ ان کے اثرات اور تعلیمات سے قبیلوں کی دشمنیاں ختم ہو گئیں۔ مساوات اور بھائی چارے کا سبق صرف عرب تک محدود نہ رہا۔ جہاں جہاں مسلمان گئے،

مساوات کا تحفہ ساتھ لے گئے۔ جن جگہوں پر سماج میں سخت قسم کی اونچ نیچ تھی، وہاں بھی مساوات اور بھائی چارے کا چرچا ہونے لگا۔

آں حضرتؐ سے پہلے عرب میں عورتوں کی حالت بہت خراب تھی۔ بعض قبیلے تو بچیّوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ جن قبیلوں میں بچیّاں قتل نہ کی جاتی تھیں، ان میں بھی عورت کی حیثیت لونڈی سے بہتر نہ تھی۔ آں حضرتؐ کی تعلیمات اور اثر نے نہ صرف یہ کہ قتل وظلم کو ختم کیا، عورت کو سماج میں باوقار درجہ دیا۔ اب عورت ماں باپ کے ورثے میں حصّہ پانے لگی۔ دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے عورت کی حالت کو بہتر بنایا۔ اور بھی طرح طرح کی غلط رسمیں عام تھیں۔ آپؐ نے لوگوں کو اِن بُرائیوں سے روکا۔ آپؐ نے یہ تعلیم دی کہ خدا ایک ہے، وہی عبادت کے لائق ہے اور محمدؐ خدا کے رسول ہیں۔ اِس آواز کا اُٹھنا تھا کہ مخالفتوں کا طوفان اُٹھ کھڑا ہُوا۔ مکّہ کے سرداروں کو اپنی سرداری خطرے میں نظر آنے لگی۔ اُنھوں نے پہلے تو حضرت محمدؐ کا مذاق اُڑایا، پھر اُنھیں طرح طرح کے لالچ دیے۔ آپؐ نے فرمایا:

> ''اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ میں چاند، تب بھی میں اللہ کے کام سے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا............ یا تو اس کام کو انجام دوں گا یا اپنی جان قربان کروں گا۔''

پھر مکّہ والوں نے آپؐ کو طرح طرح کی دھمکیاں دیں اور تکلیفیں پہنچائیں کہ یہ آواز دب جائے۔ ان کا ظلم بڑھتا ہی رہا۔ وہ راستہ چلتے ہوئے آپؐ پر گندگی پھینک دیتے۔ دروازے کے سامنے کانٹے بچھا دیتے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو طرح طرح سے ستایا جاتا۔ آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھیوں نے ساری مخالفتوں کو تیرہ برس صبر کے ساتھ جھیلا اور حق کے راستے سے بالکل نہ ہٹے۔ یہاں تک کہ سنہ 622 عیسوی میں آپؐ مکّہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔ آپ کے اس سفر کو ہجرت کہا جاتا ہے۔ اس واقعے سے ایک نیا سنہ شروع ہوتا ہے۔ جس کو سنہ ہجری کہا جاتا ہے۔ حضرت محمدؐ جب مدینہ پہنچے تو اس وقت آپؐ کی عمر ترپن سال تھی۔

مدینے میں کچھ لوگ پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ انھوں نے آپؐ کا اور آپؐ کے ساتھیوں کا دل سے استقبال کیا اور ہر طرح کی مہمان داری کی۔ انھوں نے کہا: ''یہ آنے والے ہمارے بھائی ہیں، اس لیے ہمارے مال و دولت میں برابر کے شریک ہیں۔''

مدینہ آ کر آپؐ نے سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر کی۔ سب نے مل کر اس کام میں دل و جان سے حصّہ لیا۔ حضرت محمدؐ بھی سب کے ساتھ گارا، مٹی اور پتھر اُٹھا کر لاتے تھے۔ اِس طرح ایک چھوٹی سی مسجد بنی۔ اس کے ایک طرف چھوٹے چھوٹے کمروں میں حضرت محمدؐ اور اُن کے گھر والے رہتے تھے۔ اُن کے لیے کوئی محل تھا نہ دربار، وہی مسجد سب کچھ تھی۔

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد آپؐ کی مقبولیت اور اثر میں روز بہ روز اضافہ ہوتا گیا اور دس سال کے اندر سارے عرب میں اسلام پھیل گیا۔ آپؐ نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی۔ بازار سے سودا سلف خود لاتے،، بکری کا دودھ خود دوہتے، اپنے کپڑوں کو خود ہی پیوند لگاتے، بوجھ اُٹھاتے، جانوروں کو چارا ڈالتے، یہاں تک کہ دوسروں کے کام بھی کر دیا کرتے۔ کوئی بیمار ہوتا تو مزاج پُرسی کے لیے ضرور تشریف لے جاتے اور اُس کی تیمارداری کرتے۔

آپؐ بچّوں سے بہت پیار کرتے تھے، اُن کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے، اُن کے لیے دُعا فرماتے۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا : ''بچّے تو خدا کے باغ کے پھول ہیں۔'' ...... آپؐ بچّوں سے ہنسی مذاق بھی کرتے اور اُن کے ساتھ کھیل میں بھی شریک ہو جاتے۔

ترسٹھ سال کی عمر میں حضرت محمدؐ کا وِصال ہوا اور مسجدِ نبویؐ کے اُسی حجرے میں سُپردِ خاک کیے گئے جس میں آپؐ کی وفات ہوئی تھی۔

معنی یاد کیجیے

ولادت	:	پیدائش
وفات	:	انتقال، موت، رحلت
سرپرستی	:	دیکھ بھال، نگرانی
تجارت	:	بیوپار
دیانت	:	ایمانداری
معاملات	:	معاملہ کی جمع، لین دین

امانت	:	وہ چیز جو کسی کے پاس وقتی طور پر حفاظت کے لیے رکھ دی جائے، رکھوائی ہوئی چیز
قبیلہ	:	ایک دادا کی اولاد، بڑا خاندان، گروہ
حجرِاسود	:	(حجر : پتھر۔ اسود : کالا) وہ کالا پتھر جو کعبہ کی دیوار میں لگا ہوا ہے
نصب کرنا	:	لگانا
صلح	:	میل ملاپ، سمجھوتہ، دوستی
مساوات	:	برابری، سب کا برابر ہونا
باوقار	:	عزت والا
ورثہ	:	مرنے والے کا چھوڑا ہوا مال، ترکہ
رسول	:	پیغمبر، خدا کا پیغام لانے والا
کام انجام دینا	:	کام پورا کرنا
جان قربان کرنا	:	جان دے دینا
حق کا راستہ	:	سچائی کا راستہ
ہجرت	:	وطن چھوڑ دینا، حضرت محمدؐ کا مکّے سے مدینے جانا
مقبولیت	:	مشہور ہونا، شہرت
اضافہ	:	بڑھنا
مزاج پرسی	:	حال پوچھنا، خیریت معلوم کرنا
تیمارداری	:	بیمار کی دیکھ بھال
حجرہ	:	کوٹھری، مسجد سے ملا ہوا چھوٹا کمرہ
سپردِخاک کرنا	:	مٹی کے حوالے کرنا، دفن کرنا

سوچیے اور بتائیے

1. حضرت محمدؐ کی پیدائش کہاں ہوئی؟
2. آپؐ کو "امین" اور "صادق" کیوں کہا جاتا ہے؟
3. حجرِ اسود کسے کہتے ہیں؟
4. حضرت محمدؐ نے مل جل کر کام کرنے کا طریقہ کس طرح سمجھایا؟
5. آپؐ عبادت کرنے اور غور و فکر فرمانے کے لیے کہاں جاتے تھے؟
6. جس کتاب میں خدا کا مکمل پیغام ہے اس کا کیا نام ہے؟
7. حضرت محمدؐ نے جب پہلی بار انسانوں کو خدا کا پیغام سنایا تو آپؐ کی عمر کیا تھی؟
8. آپؐ نے بھی خدا کے پیغام کے ذریعے انسانوں کو کیا تعلیم دی؟
9. اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں آپؐ کو کیا کیا مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں؟
10. دنیا میں سب سے پہلے کس مذہب نے عورتوں کو سماج میں باعزّت مقام عطا کیا؟

نیچے دیے ہوئے لفظوں سے خالی جگہ کو بھریے

بچّے غارِ حرا داخل انتقال فیصلے حجرِ اسود پیغمبر تعلیمات

1. کچھ مہینے پہلے آپؐ کے والد عبداللہ کا ——— ہو گیا تھا۔
2. اگر کہیں جھگڑا ہو جاتا تو لوگ ——— کے لیے آپؐ کے پاس آتے۔
3. لیکن ——— کو نصب کرنے کے سلسلے میں ایک مشکل آن پڑی۔
4. آخر طے پایا کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبے میں ——— ہو، وہ اس کا فیصلہ کرے۔

5. اور وہاں ـــــــ میں اکیلے چپ چاپ عبادت کرتے اور غور وفکر فرماتے۔

6. جس زمانے میں حضرت محمدؐ نے اپنے ـــــــ ہونے کا اعلان کیا، عرب کی حالت بہت خراب تھی۔

7. ان کے اثر اور ـــــــ سے قبیلوں کی دشمنیاں ختم ہوگئیں۔

8. ایک بار آپؐ نے فرمایا: ''ـــــــ تو خدا کے باغ کے پھول ہیں۔''

نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے

تجارت قبیلہ صلح مساوات ہجرت اضافہ تیمارداری مزاج پُرسی

یاد رکھیے

پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کے نام کے ساتھ ''ؐ'' لکھا جاتا ہے۔ یہ عربی فقرے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی چھوٹی شکل ہے جس کے معنی ہیں: ''ان پر اللہ کا درود، رحمت اور سلام ہو۔''

لکھیے

1. حضرت محمدؐ کے والد، والدہ، چچا اور دادا کا نام لکھیے؟

2. حضرت محمدؐ مکّے سے ہجرت کر کے کہاں تشریف لے گئے؟

3. جب حضرت محمدؐ کو طرح طرح کے لالچ دیے گئے تو آپؐ نے کیا فرمایا؟

4. حضرت محمدؐ سے پہلے عرب کی کیا حالت تھی؟

5. حضرت محمدؐ کی زندگی پر ایک مضمون لکھیے۔

غور کرنے کی بات

- آپ نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی۔ بازار سے سودا سلف خود لاتے، بکری کا دودھ خود دوہتے، اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگاتے، بوجھ اٹھاتے، جانوروں کو چارا ڈالتے، یہاں تک کہ دوسروں کے کام بھی کر دیا کرتے تھے۔
- اوپر کے جملوں میں ''لاتے'' ''دوہتے'' ''لگاتے'' ''اٹھاتے'' ''ڈالتے'' اور ''کرتے'' ایسے الفاظ ہیں جن سے کسی کام کا کرنا یا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یہ الفاظ ترتیب وار لانا، دوہنا، لگانا، اٹھانا، ڈالنا اور کرنا سے بنے ہیں۔ ایسے الفاظ ''فعل'' کہلاتے ہیں۔ آپ خود دس ایسے الفاظ لکھیے جو فعل کہلاتے ہوں۔

آسمانی دوست

مارچ کے مہینے کے وہ دن تھے جب ہوا نہ جانے کہاں سے چلنا شروع ہوتی ہے اور تیز آندھی بن جاتی ہے۔ صبح سے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور آسمان پر تیزی سے بادل چھائے جا رہے تھے۔ تیز ہوا سے پیڑوں کی چھوٹی چھوٹی شاخیں ٹوٹ کر گر رہی تھیں اور ان کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ پرانی سوکھی پتیاں ہوا میں اڑتی پھر رہی تھیں۔

مِنی اپنی پہلی منزل کے فلیٹ کی بالکنی میں وھیل چیئر (پہیوں والی کرسی) پر بیٹھی باہر پارک میں کھیلتے بچّوں کو دیکھ رہی تھی۔ بچّوں کو تیز ہواؤں اور لہروں پر گرتی، نیم کی پیلی پیلی پتیوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ سب تو اپنے کھیل میں مست تھے۔

''مِنی اندر آجاؤ۔'' اس کی ممّی نے باورچی خانے سے آواز دی۔

''ایک منٹ ممّی'' مِنی نے کپکپاتی آواز میں کہا اور وھیل چیئر میں زور لگا کر آگے کو جھکی اور کھیل دیکھنے لگی۔

اُس کی ممی باہر بالکنی میں آگئیں۔ ''مِنی گڑیا، ہوا بہت تیز چل رہی ہے۔ باہر بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔ چلو اندر چلو۔ اچھی بیٹی ہے میری۔''

مِنی اُسی طرح بالکنی سے جھانکتی رہی۔ ''بس ذرا سی دیر۔'' اُس نے ضِد کی۔

اُس کی ممی نے پارک میں کھیلتے بچّوں کو دیکھا۔ لمبی ٹھنڈی سانس لی اور اندر جاتے ہوئے بولیں ''دھیان رکھنا، بارش شروع ہونے سے پہلے ہی اندر آجانا۔ میں نہیں چاہتی کہ تم بھیگو۔''

مِنی بارہ سال کی تھی اور معذور تھی۔ وہ اپنی قمیص کے بٹن نہیں لگا سکتی تھی مگر وہ گھسٹ گھسٹ کر چل سکتی تھی۔ اُس نے دانت صاف کرنا اور چمچے کی مدد سے کھانا سیکھ لیا تھا۔ وہ اپنی وھیل چیئر بھی خود چلا لیتی تھی۔ وہ ایک خاص طرح کے اسکول میں جاتی تھی جہاں اُسے کچھ خاص قسم کی کسرت اور بولنے کی مشق کرائی جاتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ وہی سب مضمون پڑھائے جاتے تھے جو سب بچّے اسکول میں پڑھتے ہیں۔ مگر مِنی کا کوئی دوست نہیں تھا۔

اسے اس گھر میں آئے ہوئے چھ مہینے ہوگئے تھے مگر اب تک کوئی ایسا نہیں تھا جو مُنی کے ساتھ کھیلے۔ پڑوس کے سارے بچّے اپنے اپنے کھیلوں اور اسکول میں مصروف رہتے تھے۔ انھوں نے مُنی سے دوستی نہیں کی تھی۔ وقت گزارنے کے لیے مُنی کا سب سے اچھا مشغلہ بچّوں کو کھیلتے ہوئے دیکھنا تھا۔

بارش کی بڑی بڑی بوندیں گرنے لگیں مگر بچّے اپنے کھیل میں لگے رہے۔ بڑی سی لال گیند اوپر نیچے اچھلتی رہی۔ اچانک بچّوں کے بیچ ایک اور گیند آگئی، ایک کتھئی رنگ کی گیند۔ لڑکیوں نے چیخیں ماریں اور لڑکے گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے۔ ایک لڑکا گیند کو چھونے کے لیے جُھکا۔ تبھی اچانک اس نے پر پھڑ پھڑائے اور اڑ گئی۔ اس سے پہلے کہ مُنی کی سمجھ میں کچھ آتا کہ کیا ہوا، نئی گیند اڑتی ہوئی اُس کی بالکنی تک آگئی اور اُس کی گود میں اُتر گئی۔

مارے حیرت کے ایک پل تو مُنی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ جب ذرا سنبھلی تو دیکھا کہ اُس کی گود میں جو چیز ہے وہ گیند نہیں ایک چڑیا ہے جو ڈر کے مارے سکڑی سمٹی اُس کی گود میں بیٹھی ہے۔ بارش اب تیز ہوگئی تھی۔

مِنی ! اُس کی ممی چلّاتی ہوئی باہر آئیں تا کہ اُس کی کرسی دھکیل کر اُسے اندر لے جائیں۔ ’’یہ کیا ہے؟‘‘ وہ چڑیا کو دیکھ کر حیرت سے بولیں۔

’’ممی! یہ ایک بطخ ہے، آسمان سے آئی ہے یہ۔‘‘ مِنی نے دھیرے سے کہا۔

یقیناً وہ چڑیا بطخ ہی تھی، شاویلر۔ ٹھنڈے شمالی حصّے سے ہر سال ہندوستان آنے والا ایک مہمان۔ شاید وہ اپنے غول کے ساتھ اپنے وطن واپس جا رہی ہوگی۔ مگر تیز ہوا کی وجہ سے اپنا راستہ بھول گئی۔ اپنے ساتھیوں سے دوبارہ جا ملنے کی دیوانہ وار کوشش میں اُس کے بازوؤں میں چوٹ لگ گئی۔

وہ ایک خوب صورت جنگلی بطخ تھی۔ اُس کے جسم کا نچلا حصہ ملائم اور مخملی تھا اور اُس کی چونچ پھاوڑے کی طرح چوڑی سی تھی۔ اُس کے پر چمکیلے، نیلے، سفید اور بھورے تھے۔ اُس وقت وہ بے حد تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

مِنی کی ممی نے اُسے اُٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن اُس نے اچانک ان کے ہاتھ میں ٹھونگ ماردی۔ ’’ہائے‘‘ وہ چلائیں اور اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

وہ ایک دم تڑپی اور لڑھک کر کمرے کے ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔

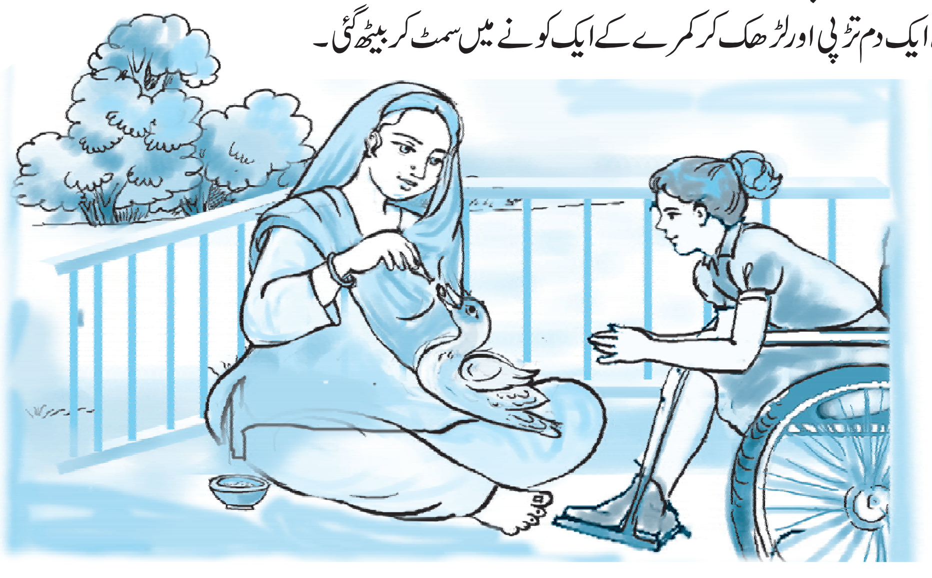

شام تک مِنی اور اس کی ممی بطخ کو کچھ کھلانے کی کوشش کرتی رہیں۔ انھوں نے اُس کے سامنے روٹی کے ٹکڑے، پھلیاں اور پھل سب کچھ رکھا مگر اُس نے کوئی چیز چھوئی تک نہیں۔

’’ممی، اسے کچھ پکے چاول کچل کر دودھ کے ساتھ دیجیے۔‘‘ مِنی نے مشورہ دیا۔

اُس کی ممی نے ایک پیالے میں پکے ہوئے چاول ڈال کر کچلے۔ اس میں دودھ شکر ملایا۔ چڑیا کی چونچ کھولی اور روشنائی بھرنے والے ڈراپر سے اُسے کھلایا۔

جیسے ہی اُس کے پیٹ میں کھانا گیا، بطخ کچھ چاق و چوبند سی نظر آنے لگی۔ اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اور اُس نے اپنے پر کھولنے کی کوشش بھی کی۔ مگر ایک دو بار کوشش کرنے کے بعد ٹال گئی۔ ''مجھے معلوم ہے ممی اس کا نام کیا ہے۔'' مِترا نام ہے اس کا۔ مِنی نے کہا اور اس کی ممی مسکرادیں۔

''ہم مِترا کو کہاں لٹائیں مِنی؟'' اُس کے پاپا نے اُس سے پوچھا۔

''پاپا میں چاہتی ہوں یہ میرے پاس رہے۔ شاید اُسے رات میں میری ضرورت پڑے۔'' مِنی نے کہا۔ آخر انھوں نے مِترا کو ایک تنکوں کی ٹوکری میں بٹھا کر مِنی کے پلنگ کے پاس رکھ دیا۔

مِنی کی امیدوں کے خلاف مترا نے رات میں اُسے بالکل نہیں جگایا۔ جب صبح سویرے اُس کی آنکھ کھلی تو مِنی کو پہلا خیال یہی آیا کہ پلنگ کے پاس رکھی ٹوکری میں جھانک کر دیکھے۔ مگر ڈر اور گھبراہٹ سے اُس کا حال خراب ہو گیا جب اُس نے دیکھا کہ ٹوکری خالی ہے۔

''مِترا! مِترا'' مِنی ایک کہنی کے بل اٹھ کر چلائی اور اُس نے دیکھا کہ وہ باتھ روم میں سے آنکھیں چمکا چمکا کر اُسے دیکھ رہی ہے۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

بطخ بس پھدک پھدک کر چل پاتی تھی۔ وہ اُڑنے کی جان توڑ کوشش کر رہی تھی۔ جب مِنی گھسٹ گھسٹ کر اُس کے پاس پہنچی تو اُس نے پر پھڑ پھڑائے اور پھدک کر دور چلی گئی۔ مِنی نے بڑی مشکل سے جب اُسے پکڑا تو اُس نے فوراً ٹھونگ ماردی۔

''مِنی! کیا ہوا؟'' اُس کی ممی گھبرا کر چلائیں اور کمرے میں آ گئیں۔ مگر جب انھوں نے بطخ کو اپنی بیٹی کے بازوؤں میں دیکھا تو اُن کی گھبراہٹ خوشی میں بدل گئی۔ میں تمھارے لیے اور تمھاری دوست کے لیے ناشتہ لائی ہوں۔ انھوں نے اعلان کیا۔

جب مِنی مِترا کو دبوچ کر اُسے ناشتہ کھلانے کی کوشش کر رہی تھی تو دروازے کی گھنٹی بجی۔ جیسے ہی مِنی کی ممی نے دروازہ کھولا تو بچّوں کی ایک ٹولی نے ان کو نمستے کہا۔ وہ سب اپنے اسکول کا صاف ستھرا یونیفارم پہنے ہوئے تھے۔

''آنٹی! کیا ہم چڑیا دیکھ سکتے ہیں؟'' انھوں نے پوچھا۔

مِترا کو ڈرا پر سے کھانا کھاتا دیکھ کر بچّوں کو بہت حیرت اور خوشی ہوئی۔ انھوں نے اُسے پکڑنے میں مِنی کی مدد کی۔ اسکول کی بس پکڑنے کے لیے انھیں جلدی جانا تھا۔ ''ہم دوپہر میں پھر آئیں گے مِنی۔'' اُنھوں نے کہا۔ مِنی بھی اسکول جانے کے لیے تیار ہوگئی۔

''بے چاری بطخ! اپنے دوستوں کو کتنا یاد کر رہی ہوگی؟'' شام کو بچّوں میں سے ایک لڑکے بنٹی نے بطخ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب تو اُس کے لیے نئے دوست بنانا اور بھی مشکل ہے کیونکہ اب یہ لولی ہوگئی ہے۔'' انجو نے کہا اور فوراً ہی اُسے خیال آیا کہ اُس نے کیا کہہ دیا، تو جلدی سے اُس نے منھ دبا لیا۔

''ہم اُسے طاقت ور بنائیں گے۔'' مِنی نے کہا۔

اس واقعے کے بعد پڑوس کے بچّے مِنی کے بہت اچھے دوست بن گئے۔ آخر کار بچّوں کو احساس ہو ہی گیا کہ مِنی کے ساتھ نہ کھیلنے سے اُسے کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔

اگلے دن انجو اپنے ساتھ ایک موٹی سی کتاب لائی۔ ''دیکھو بطخوں کے بارے میں سب کچھ تم اُس میں سے پڑھ سکتے ہو۔ مِترا 'شاویلر' کہلاتی ہے۔'' بچّوں نے خوش ہو کر اُسے گھیر لیا۔ اور شاویلر کی عادتوں کے بارے میں سب کچھ پڑھ لیا۔

''مِترا! اب تک سینکڑوں میل اڑ چکی ہوگی، ہے نا! ننھّی پریا نے کہا۔

''سیکڑوں نہیں ہزاروں!'' بنٹی نے اُسے ٹوک کر ٹھیک کیا۔ ''یہ پھر سے ہزاروں میل اڑ کر اپنے گھر جائے گی۔''

آخر ان کے دوست پرندے کی رخصتی کا دن آ ہی گیا۔ مِنی کے پاپا سب بچّوں اور بطخ کو لے کر جھیل پر گئے۔ بچّوں نے مترا کو پیار سے مِنی کی گود سے اٹھایا اور آہستہ سے اسے جھیل میں چھوڑ دیا۔ اس نے تیرنا شروع کر دیا اور اپنی چونچ سے پانی میں کچھ کھودنے لگی۔ بچّے بہت دیر تک وہاں کھڑے اسے دیکھتے رہے۔

اگلے دن مُنی بالکنی میں بچّوں کو کھیلتے دیکھنے لگی تو پارک میں کوئی نہیں تھا اور پھر دروازے کی گھنٹی بجی اور بچّوں کی فوج اندر آ گئی۔ ''آنٹی! پلیز مُنی کو ہمارے ساتھ پارک میں کھیلنے کے لیے بھیج دیجیے۔'' انھوں نے کہا۔ ''ہم اسے

وھیل چیئر پر حفاظت سے واپس لے آئیں گے۔'' محبّت بھرے بہت سے ننھّے منّے ہاتھوں کی مدد سے مُنی سیڑھیوں سے اتری اور پارک میں لے جائی گئی۔

اس کے بعد بھلا مُنی اکیلی اور اداس کیوں رہتی۔

پدما راؤ

معنی یاد کیجیے

شاخیں	:	(شاخ کی جمع) پیڑ کی ڈالیں، ٹہنیاں
مَست	:	مگن
معذور	:	جسم کے کسی حصّے کا کمزور یا ناکارہ ہونا، جسم کے کسی حصّے کا کام نہ کرنا
مشق	:	کسی کام کو سیکھنے کے لیے بار بار کرنا، دُہرانا
مشغلہ	:	کام، شغل
مصروف	:	کام میں لگا ہوا
حیرت	:	تعجب
غول	:	گروہ
دیوانہ وار	:	بے انتہا شوق کے ساتھ، پُرجوش انداز میں
مشورہ	:	رائے، صلاح
ٹھونگ	:	چونچ
لولی	:	جس کا ہاتھ بے کار ہو گیا ہو یا ضائع ہو گیا ہو
رُخصتی	:	روانہ ہونا، جدا ہونا
اداس	:	پریشان، سُست، غمگین
چاق وچوبند	:	پھرتیلا، چُست

سوچیے اور بتائیے

1. مُنی اپنی بالکنی سے پارک کی طرف کیا دیکھ رہی تھی؟
2. مُنی کی ممی بار بار اسے اندر آنے کو کیوں کہہ رہی تھیں؟
3. مُنی گھسٹ گھسٹ کر کیوں چلتی تھی؟

4. مِنی اپنا کون کون سا کام خود کر لیتی تھی؟
5. مِنی کے اسکول میں اس سے کیا کرایا جاتا تھا؟
6. خالی وقت میں مِنی کا مشغلہ کیا تھا؟
7. مِنی کی گود میں اچانک کیا چیز آ کر گری؟
8. مِنی نے چوٹ کھائی ہوئی بطخ کی کس طرح مدد کی؟
9. بطخ کے آنے کے بعد پڑوس کے بچے مِنی کے پاس کیوں آئے؟
10. انجو نے کچھ کہتے کہتے جلدی سے اپنا منھ کیوں دبا لیا؟
11. محبّت بھرے بہت سے ننھے منّے ہاتھ مِنی کو کہاں لے گئے؟

واحد سے جمع اور جمع سے واحد بنایئے

مضمون مشغلہ وقت کتاب احساسات افواج آنکھیں

خالی جگہ کو صحیح لفظ سے بھریے

1. مِنی اپنی بالکنی میں وھیل چیئر پر بیٹھی باہر ـــــــ میں کھیلتے ـــــــ کو دیکھ رہی تھی۔
2. مِنی نے دانت صاف کرنا اور ـــــــ کی مدد سے کھانا ـــــــ لیا تھا۔
3. مِنی کو اسکول میں کچھ خاص قسم کی ـــــــ اور بولنے کی ـــــــ کرائی جاتی تھی۔
4. پڑوس کے سارے بچّے اپنے اپنے کھیلوں اور اسکول میں ـــــــ رہتے تھے اور انھوں نے مِنی سے ـــــــ نہیں کی تھی۔
5. شاید وہ اپنے ـــــــ کے ساتھ اپنے وطن واپس جا رہی ہوگی۔ مگر تیز ہوا کی وجہ سے اپنا راستہ ـــــــ گئی ہو۔
6. جیسے ہی اس کے پیٹ میں کچھ کھانا گیا بطخ کچھ ـــــــ سی لگنے لگی۔ اس کی آنکھیں ـــــــ لگیں۔

7. اس واقعے کے بعد پڑوس کے بچّے منی کے بہت اچھے ——— بن گئے۔آخر کار بچّوں کو ——— ہو ہی گیا۔

8. اس کے بعد بھلا منی ——— اور ——— کیوں رہتی۔

بلند آواز سے پڑھیے

معذور مشغلہ مصروف چاق و چوبند مشورہ مضمون مخملی بطخ ٹھونگ

لکھیے

اگر آپ کی جماعت میں منی جیسا کوئی بچّہ ہو تو آپ اس کی کس طرح مدد کریں گے؟

غور کرنے کی بات

- کبھی کبھی اسم سے صفت اور صفت سے اسم بنا لیتے ہیں۔ جیسے آپ کے سبق میں ایک لفظ ''مخملی'' آیا ہے۔ یہ صفت ہے۔اور یہ اسم مخمل سے بنا ہے۔اسی طرح ایک لفظ ''آسمان'' آیا ہے جو اسم ہے اور اس سے صفت ''آسمانی'' بنی ہے۔

شاویلر۔ ٹھنڈے شمالی حصّے سے ہر سال ہندوستان آنے والا ایک مہمان۔ شاید وہ اپنے غول کے ساتھ اپنے وطن واپس جا رہی ہوگی۔ مگر تیز ہوا کی وجہ سے اپنا راستہ بھول گئی۔ اپنے ساتھیوں سے دوبارہ جا ملنے کی دیوانہ وار کوشش میں اُس کے بازوؤں میں چوٹ لگ گئی۔

وہ ایک خوب صورت جنگلی بطخ تھی۔ اُس کے جسم کا نچلا حصّہ ملائم اور مخملی تھا اور اُس کی چونچ پھاوڑے کی طرح چوڑی سی تھی۔ اُس کے پر چمکیلے، نیلے، سفید اور بھورے تھے۔ اُس وقت وہ بے حد تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

ذرّوں کو بھی اِنسان بنا دو

اے اہلِ وطن! جانِ وطن بن کے دکھا دو
تم خاک کے ذرّوں کو بھی انسان بنا دو

انسان وہ ہے علم کی جس میں ہو تجلّی
حیواں کو کبھی علم مِلا ہو تو بتا دو

خود بھی پڑھو بننے کے لیے عالم و کامل
اَن پڑھ کوئی مل جائے تو اس کو بھی پڑھا دو

ہو علم تو پھر کیا نہیں امکاں میں تمھارے
تم چاہو تو جنگل کو بھی گلزار بنا دو

کانٹوں کو جہالت کے الگ کاٹ کے پھینکو
تم علم کے پھولوں سے نیا باغ کھِلا دو

ہے ملک میں تفریق جہالت کے سبب سے
تم علم کی قوّت سے یہ جھگڑا ہی مٹا دو

بے علم کا جینا بھی ہے اک قِسم کا مرنا
جیسے تنِ بے روح، جلا دو کہ دبا دو

سیمابؔ اکبرآبادی

معنی یاد کیجیے

اہلِ وطن	:	وطن کے لوگ
تجّلی	:	روشنی
کامل	:	ایسا شخص جو کسی علم یا ہنر کو پوری طرح جانتا ہو، کسی فن میں کمال رکھتا ہو
امکان میں ہونا	:	بس میں ہونا، قابو میں ہونا
گلزار	:	باغ
تفریق	:	فرق کرنا، پھوٹ ڈالنا
قوّت	:	طاقت
تَن	:	جسم
باوقار	:	عزت والا

سوچیے اور بتایئے

1. وطن کے لوگ جانِ وطن کیسے بن سکتے ہیں؟
2. شاعر کے نزدیک انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے؟
3. علم حاصل کر کے کیا کیا کام کیے جا سکتے ہیں؟
4. ’’کانٹوں‘‘ اور ’’پھولوں‘‘ سے شاعر کا کیا مطلب ہے؟
5. جہالت کی وجہ سے ملک کو کیا نقصان ہوتا ہے؟
6. علم کی قوت ملک کی تعمیر و ترقی میں کیسے مددگار ثابت ہو سکتی ہے؟
7. آخری شعر میں شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟

مصرعے مکمل کیجیے

انسان وہ ہے علم کی جس میں ہو ــــــــ
ہو علم تو پھر کیا نہیں ــــــــ میں تمھارے
ہے ملک میں ــــــــ جہالت کے سبب سے
تم علم کی ــــــــ سے یہ جھگڑا ہی مٹا دو
ــــــــ کا جینا بھی ہے اک قسم کا مرنا

دیے ہوئے مصرعوں کو ترتیب سے لکھیے

حیواں کو کبھی علم ملا ہو تو بتا دو
اَن پڑھ کوئی مل جائے تو اس کو بھی پڑھا دو
انسان وہ ہے علم کی جس میں ہو تجلّی
خود بھی پڑھو بننے کے لیے عالم و کامل
تم علم کی قوت سے یہ جھگڑا ہی مٹا دو
جیسے تنِ بے روح، جلا دو کہ دبا دو
ہے ملک میں تفریق جہالت کے سبب سے
بے علم کا جینا بھی ہے اک قسم کا مرنا

ان لفظوں کے متضاد لکھیے

انسان عالم پھول جینا اَن پڑھ

نیچے دیے ہوئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے

علم تجلّی گلزار تفریق قوّت

پڑھیے

اس نظم کو بلند آواز سے پڑھیے

یاد کیجیے

اس نظم کو زبانی یاد کیجیے

غور کرنے کی بات

- پڑھنے لکھنے اور علم حاصل کرنے سے انسان کو عزّت ملتی ہے۔
- ملک میں پھیلی ہوئی برائیوں کی جڑ جہالت ہے۔
- جہالت کو دور کرنا اور اَن پڑھ لوگوں کو پڑھانا ہمارا فرض ہے۔

گاندھی جی

سنہ انیس سو اکیس (1921) کا ذکر ہے، میں ایل. ایل. بی کا طالب علم تھا، گاندھی جی میرے وطن میرٹھ میں تشریف لائے۔ مجھے اُن سے ملنے کا بڑا شوق تھا۔ آخر میری آرزو بَر آئی اور مجھے اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع مل گیا۔

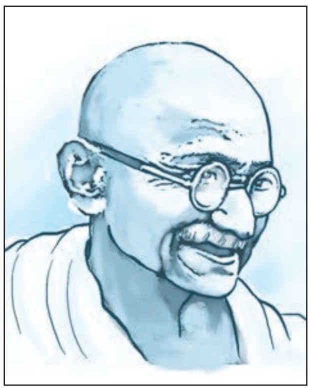

باتیں کرتے کرتے گاندھی جی نے میری اَچکن کی طرف اشارہ کرکے فرمایا :

''دیسی کیوں نہیں پہنتے ؟''

میں نے عرض کیا : ''تین چار دیسی چیزیں مستقل طور پر استعمال کرتا ہوں۔ دیسی آم کھاتا ہوں، دیسی پان کھاتا ہوں، دیسی آلو کھاتا ہوں اور دیسی شکر استعمال کرتا ہوں، کیا یہ کافی نہیں؟''

گاندھی جی نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور فرمایا : ''تب تو آپ کے لیے دیسی کپڑا پہننا اور بھی آسان ہے، ایک ہی دیسی چیز کا تو اور اضافہ ہوگا۔''

اس کے بعد متعدد بار، کئی کئی برس کے وقفے سے مجھے گاندھی جی کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ مگر حیرت ہے کہ ہر مرتبہ مجھے دیکھتے ہی انھیں میری چار دیسی چیزوں میں اپنی اُسی پانچویں چیز کا خیال آجاتا۔

اُنیس سو پینتالیس (1945) کا زمانہ تھا۔ گاندھی جی مسوری پہاڑ پر برلا ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں بھی اُس سال مسوری گیا ہوا تھا اور گاندھی جی کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوتا رہتا تھا۔

مسوری میں اُن دنوں بہت سے لدّاخی مزدور آئے ہوئے تھے۔ لدّاخ، کشمیر میں ایک جگہ ہے، یہاں کے رہنے والوں کو لدّاخی کہتے ہیں۔ وہ ہر سال گرمی کے موسم میں کام کی تلاش میں مسوری اور دوسرے مقامات پر آجاتے ہیں۔ یہ سب کے سب یا اُن میں سے زیادہ تر مسلمان تھے۔ بے چارے بہت غریب تھے۔ ایک پھٹے ہوئے جانگیے اور پیوند لگے ہوئے شلوکے کے سوا اُن کے بدن پر کچھ نہ ہوتا تھا۔ رات کے وقت ٹاٹ کے بورے میں لپٹ جاتے تھے۔ یہی ٹاٹ کا بورا اُن کا لحاف تھا اور یہی اُن کا گدّا۔ اُنھیں اِس حالت میں دیکھ کر گاندھی جی کو بڑا ترس آیا اور انھوں نے اُن کی امداد کے لیے مختلف تجویزوں پر غور کرنا شروع کیا۔ اِس سلسلے میں گاندھی جی نے ایک ایسی عمارت کی تعمیر کی تحریک

بھی شروع کی جہاں پر یہ بے چارے پہاڑی مزدور ٹھہر سکیں اور ان سے اُس کا کرایہ نہ لیا جائے۔ شاید اُس عمارت کے لیے ڈیڑھ لاکھ رو   کے وعدے بھی ہو گئے تھے۔

ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ یہ ذکر چلا کہ اُس عمارت کا نام کیا رکھا جائے؟ کئی نام تجویز ہوئے، مگر گاندھی جی کو کوئی نام بھی پسند نہ آیا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ اُسے 'دھرم شالہ' کہا جائے۔

میں نے عرض کیا: ''اُس عمارت کا نام آپ 'غریب خانہ' کیوں نہیں رکھتے!''

ایک اور صاحب وہاں بیٹھے ہوئے تھے بولے: 'غریب خانہ' تو شاید اپنے ہی گھر کو کہتے ہیں؟''

میں نے کہا: ''جی ہاں، کہتے تو ہیں، لیکن اپنے گھر کو غریب خانہ محض اِنکساری کی وجہ سے کہتے ہیں۔ خود کو غریب فرض کر لیتے ہیں اور اپنے گھر کو غریب خانہ قرار دیتے ہیں، ورنہ 'غریب خانہ' کے معنی 'غریب کے گھر' کے سوا اور کچھ نہیں۔''

گاندھی جی کو یہ نام پسند آیا۔ اِس کے بعد مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ وہ عمارت بنی بھی یا نہیں اور اُس کا نام ''غریب خانہ'' رکھا گیا یا نہیں۔

گاندھی جی جھوٹ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ستیہ گرہ آشرم میں نیک چلنی اور سچائی کے قواعد بڑے سخت تھے۔ یہاں تک کہ بچّوں کو بھی اُن کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ ایک دفعہ ایک نوجوان آشرم میں رہنے کے لیے آئے۔ یہ بی۔اے پاس کر چکے تھے۔ دستور کے مطابق گاندھی جی نے اُن کے سپرد یہ کام کیا کہ تین مہینے تک وہ آشرم میں روزانہ جھاڑو دیا کریں۔

اُس نوجوان کو بچّوں سے بڑا اُنس تھا اور بچّے بھی اُس سے بہت مانوس تھے۔ ایک دن آشرم کی ایک آٹھ سالہ لڑکی اُس نوجوان سے ایک لیمو چھیننا چاہتی تھی۔ وہ اُس لڑکی کے ساتھ کھیلنے لگا۔ کھیلتے کھیلتے اُسے تھکا دیا لیکن لیمو نہیں دیا۔ لڑکی تنگ آکر رو پڑی۔ اصل میں یہ لیمو آشرم کے ایک مریض کے واسطے تھا، اُس لڑکی کو کیسے دے دیا جاتا۔ جب لڑکی رونے لگی تو اُس نوجوان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کرے؟ آخر اُسے ایک ترکیب سوجھی۔ اُس نے لیمو ہاتھ میں لے کر زور سے اپنا ہاتھ ہلایا اور یہ ظاہر کیا کہ جیسے لیمو کو سابرمتی ندی میں پھینک دیا ہو، مگر اصل میں ایسا نہیں کیا تھا، بلکہ لیمو کو اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ اب لڑکی کا دھیان ندی کی طرف گیا اور کہنے لگی ''میں لیمو کو ندی سے نکال لاؤں، کنارے ہی پر تو ہوگا؟''

نوجوان نے جواب دیا ''لیمو ندی میں ڈوب گیا، اب تم اُسے نہیں نکال سکتیں۔'' بات آئی گئی ہوئی۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ مریض کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اُس نوجوان نے اپنی جیب سے رومال جو نکالا تو اُس کے ساتھ لیمو بھی جیب سے نکل کر زمین پر گر پڑا۔ لڑکی ہکّا بکّا رہ گئی اور نفرت سے نوجوان کی طرف دیکھ کر بولی : ''اچھا آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا، لیمو آپ نے جیب میں رکھ لیا تھا اور مجھ سے کہہ دیا کہ میں نے ندی میں پھینک دیا۔ آشرم میں رہ کر آپ نے اتنی بُری بات کی۔ میں باپو سے کہوں گی کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ بھاگی اور سیدھی گاندھی جی کی خدمت میں پہنچی اور اُن سے کہہ دیا کہ فلاں آدمی نے اس طرح جھوٹ بولا۔ گاندھی جی نے کہا : ''ہم معلوم کریں گے کہ کیا بات ہے اور کیوں انھوں نے جھوٹ بولا؟''

شام کو دُعا کے بعد گاندھی جی نے اُس نوجوان کو بلایا اور اُس سے پوچھا کہ '' کیا بات تھی؟'' اُس نے سارا قصّہ سنا دیا اور کہا ''یہ سب مذاق تھا۔''

گاندھی جی نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا: ''دیکھو! آئندہ سے اس بات کا خیال رکھو کہ بچّوں سے مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولو۔''

حامد اللہ افسر

معنی یاد کیجیے

اشتیاق	:	شوق
آرزو برآنا	:	مراد پوری ہونا
اچکن	:	شیروانی جیسا ایک لباس
دیسی	:	اپنے دیس کا
قہقہہ	:	زور کی ہنسی، ٹھٹھا
متعدد	:	کئی، ایک سے زیادہ
وقفہ	:	خالی وقت، مہلت، فرصت
مقامات	:	مقام کی جمع، جگہ
شلوکا	:	ایک کُرتا جو سینے سے کمر تک کا ہوتا ہے
پیوند	:	کسی پھٹے ہوئے کپڑے میں دوسرے کپڑے کا جوڑ
ترس آنا	:	رحم آنا
امداد	:	مدد
تجویز	:	تدبیر، رائے
تحریک	:	کسی کام کے لیے ابھارنا، آمادہ کرنا
دھرم شالہ	:	مسافروں کے ٹھہرنے کی جگہ
انکسار	:	خود کو معمولی اور کمتر سمجھنا
برداشت	:	سہنا
آشرم	:	پناہ کی جگہ
فرض کرنا	:	وقتی طور پر مان لینا

نیک چلنی	:	اچھا چال چلن
قواعد	:	قاعدہ کی جمع، اصول
دستور	:	قاعدہ، قانون
اُنس	:	محبت، پیار، لگاؤ
مانوس	:	جانا پہچانا
تنگ آنا	:	پریشان ہو جانا
ہکّا بکّا رہ جانا	:	حیران رہ جانا
آئندہ	:	آنے والا وقت

سوچیے اور بتائیے

1. گاندھی جی کہاں تشریف لے گئے تھے؟
2. گاندھی جی نے اچکن کی طرف اشارہ کر کے کیا فرمایا؟
3. گاندھی جی نے قہقہہ کیوں لگایا؟
4. گاندھی جی مسوری میں کس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے؟
5. لداخی مزدور گرمی کے موسم میں مسوری کس لیے آتے تھے؟
6. لداخی مزدوروں پر گاندھی جی کو کیوں ترس آیا؟
7. ''غریب خانہ'' کس گھر کو کہا جاتا ہے؟
8. ستیہ گرہ آشرم میں کن قواعد کی پابندی ہوتی تھی؟
9. بچّی کو نوجوان کیا واقعی دھوکا دینا چاہتا تھا؟

خالی جگہ کو صحیح لفظ سے بھریے

1. مجھے ان سے ملنے کا بڑا ـــــــ تھا۔
2. تین چار دیسی چیزیں ـــــــ استعمال کرتا ہوں۔

3. گاندھی جی نے بڑے زور سے ــــــــ لگایا۔
4. مسوری میں ان دنوں بہت سے لداخی مزدور ــــــــ ہوئے تھے۔
5. وہ ہر سال گرمی کے موسم میں کام کے تلاش میں ــــــــ اور دوسرے مقامات پر آجاتے ہیں۔
6. انھیں اس حالت میں دیکھ کر ــــــــ کو بڑا ترس آیا۔
7. آخر فیصلہ ہوا کہ اسے ــــــــ کہا جائے۔

واحد سے جمع اور جمع سے واحد بنائیے

مواقع خیال مقامات تجاویز عمارت ترکیب اتفاق

نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے

طالب علم وطن موقع اضافہ خدمت تعمیر

غور کرنے کی بات

- ''گاندھی جی میرے وطن میرٹھ میں تشریف لائے۔''

اس جملے میں ''تشریف لائے'' گاندھی جی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں گاندھی جی آئے۔ اس بات کا خیال رکھیے کہ خود اپنے لیے تشریف لانے کا لفظ استعمال نہیں کرتے بلکہ یہ لفظ ہمیشہ احتراماً دوسروں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

- سبق میں نوجوان کے لیے ''فلاں آدمی'' استعمال ہوا ہے۔ اگر کسی شخص یا چیز کا ذکر اس کی غیر موجودگی میں نام لیے بغیر کیا جائے تو اس نام کی جگہ ''فُلاں'' استعمال کرتے ہیں۔

گھوڑے اور ہرن کی کہانی

ہزاروں سال پُرانی بات ہے ایک ہرن اور گھوڑے میں بڑی دوستی تھی۔ ایک بار کسی بات پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا، مار پیٹ کی نوبت آ گئی۔ ہرن ہلکا پھلکا اور پھُرتیلا تھا۔ اُس نے اُچھل اُچھل کر گھوڑے کو پیٹا۔ مار پیٹ میں گھوڑے کو بہت چوٹ آئی۔ اُسے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ گھوڑا کچھ نہ کر پایا اور ہرن مار پیٹ کر چلتا بنا۔

گھوڑے کو بہت غصّہ آیا۔ اُس نے سوچا، ہرن سے بدلہ لینا چاہیے۔ لیکن بدلہ لے تو کیسے! بہت دنوں تک جنگل میں مارا مارا پھرتا رہا۔ ایک دن اُس کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو تیر کمان لیے شکار کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ گھوڑے نے پوچھا: ''بھائی آدمی! تم جنگل میں اکیلے کیا کرتے پھر رہے ہو؟''

آدمی نے جواب دیا: ''میں شکاری ہوں اور شکار کی تلاش میں ہوں۔''

گھوڑے نے کہا: ''اگر میں تمھیں کوئی شکار دکھا دوں، تو کیا تم اُسے مار دو گے؟''

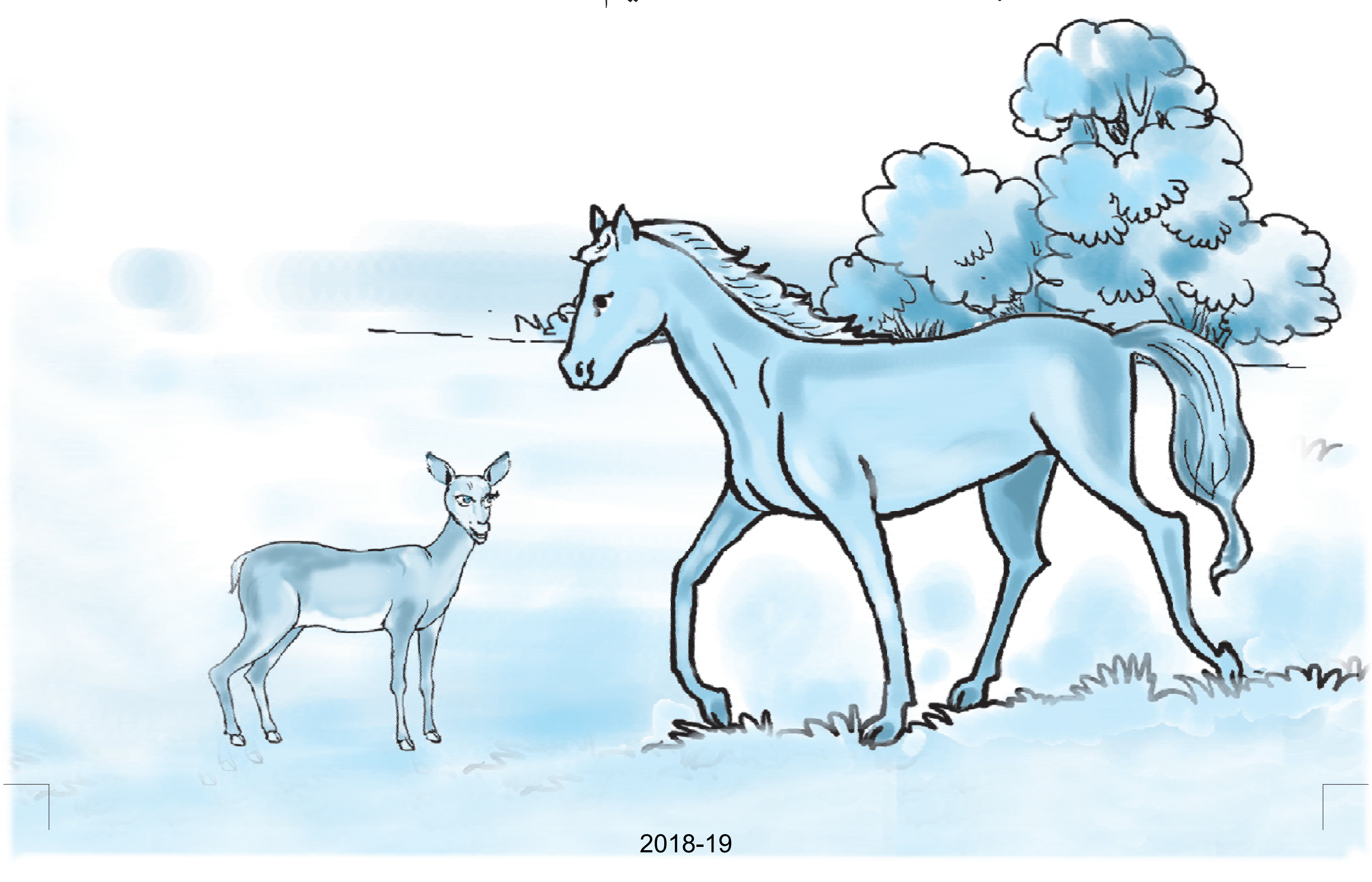

''ہاں کیوں نہیں! میرا تو کام ہی یہ ہے۔'' شکاری نے کہا۔

اب تو گھوڑا خوش ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آ گئی۔ اس نے شکاری سے کہا: ''اس جنگل میں ایک ہرن رہتا ہے، تم چاہو تو اس کو مار سکتے ہو۔''

شکاری نے کہا: ''مارنے کو تو میں ماردوں لیکن تم ہی بتاؤ کہ میں اُس کے پیچھے کیسے دوڑ سکتا ہوں؟ اگر تم میری مدد کرو تو میں اُسے ماردوں۔''

گھوڑے نے کہا: ''میں تیار ہوں۔ بتاؤ میں تمھاری کیا مدد کروں؟''

شکاری نے کہا: ''مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھالو اور وہاں لے چلو جہاں وہ ہرن رہتا ہے۔''

گھوڑے نے شکاری کو اپنی پیٹھ پر بٹھالیا تو شکاری نے کہا: ''بھائی گھوڑے! ایک بات سُنو اگر تمھیں تکلیف نہ ہو تو میں تمھارے منھ میں لگام ڈال لوں؟''

''لگام سے کیا ہوگا؟'' گھوڑے نے پوچھا۔

شکاری نے کہا: ''لگام سے یہ فائدہ ہوگا کہ جس طرف ہرن نظر آئے گا، میں اُسی طرف لگام موڑ دوں گا، تم ادھر چل پڑنا۔ پھر میں اُسے اپنے تیر کا نشانہ بنادوں گا۔''

گھوڑا تو ہر قیمت پر ہرن سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس نے کہا: ''اچھی بات ہے، تم میرے منھ میں لگام ڈال دو۔''

شکاری نے گھوڑے کے منھ میں لگام ڈال دی اور دونوں ہرن کی تلاش میں نکل پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ہرن نظر آیا۔ گھوڑے نے کہا: ''یہی ہے وہ ہرن، تم اسے ماردو۔''

شکاری نے گھوڑے کو اس کے پیچھے ڈال دیا۔ گھوڑا تیز تیز دوڑنے لگا۔ دوڑتے دوڑتے وہ ہرن کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ شکاری نے تیر چلایا۔ تیر ہرن کے سینے پر لگا۔ ہرن نے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن تھوڑی دور جا کر گر پڑا۔

اب گھوڑے نے اطمینان کا سانس لیا کہ اُس کا دشمن مارا گیا۔ اُس نے شکاری سے کہا'' بھائی شکاری! میں تمھارا احسان مند ہوں کہ تم نے میرے دشمن کا کام تمام کر دیا۔ اب تم اپنا شکار لے جا سکتے ہو۔''

شکاری نے کہا: ''اِس میں احسان کی کیا بات ہے۔ مجھے شکار ملا اور اس کے ساتھ ایک اور فائدہ بھی ہوا۔''

''گھوڑے نے پوچھا: ''کیا فائدہ؟''

شکاری نے کہا: ''مجھے پہلے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے کارآمد ہو۔ اب پتہ چلا ہے کہ تم تو بڑے کام کے جانور ہو۔'' یہ کہہ کر اس نے لگام کھینچی۔ گھوڑا بے چارہ بے بس ہوگیا۔ کرتا تو کیا کرتا۔ شکاری گھوڑے کو بستی میں لے آیا۔ وہ دن اور آج کا دن گھوڑے کے منھ سے لگام نہیں نکلی اور گھوڑے کا کام ہی یہ ہے کہ وہ آدمی کو اپنی پیٹھ پر بٹھائے پھرتا ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ آپس کا لڑنا جھگڑنا ٹھیک نہیں۔

معنی یاد کیجیے

ترکیب	:	طریقہ، ڈھنگ، تدبیر
انتقام	:	بدلہ
احسان مند	:	احسان ماننے والا
کارآمد	:	کام آنے والا، مفید
کام تمام کرنا	:	مار ڈالنا، ختم کر دینا

اطمینان کا سانس لینا	:	چین نصیب ہونا
مارا مارا پھرنا	:	آوارہ پھرنا، بے سبب گھومنا
بے بس ہونا	:	مجبور ہونا، قابو نہ ہونا
نوبت آنا	:	باری آنا

سوچیے اور بتائیے

1. ہرن نے گھوڑے کو کیوں مارا؟
2. گھوڑا ہرن سے کیوں بدلہ لینا چاہتا تھا؟
3. شکاری سے مل کر گھوڑا کیوں خوش ہوا؟
4. گھوڑے نے ہرن سے کس طرح بدلہ لیا؟
5. ہرن کے مارے جانے کے بعد گھوڑے نے شکاری سے کیا کہا؟
6. شکاری نے گھوڑے کو کیا جواب دیا؟
7. شکاری نے گھوڑے کو کام کا جانور کیوں سمجھا؟
8. آپس میں لڑنا جھگڑنا کیوں ٹھیک نہیں؟

صحیح جملوں کے سامنے صحیح ☑ اور غلط کے سامنے غلط ☒ کا نشان لگائیے

1. ہرن اور گھوڑے میں بڑی دوستی تھی۔ (   )
2. گھوڑا ہلکا پھُلکا اور پھُرتیلا تھا۔ (   )
3. شکاری نے گھوڑے کو اپنی پیٹھ پر بٹھالیا۔ (   )
4. گھوڑا ہر قیمت پر ہرن سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ (   )
5. آپس میں لڑنا جھگڑنا ٹھیک بات ہے۔ (   )

نیچے لکھی ہوئی باتوں کی وجہ لکھیے

1. ہرن نے گھوڑے کو بہت پیٹا کیونکہ ____________
2. گھوڑے کو غصّہ اس لیے آیا کہ ____________
3. ہرن کے مرنے کے بعد گھوڑے نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ ____________
4. شکاری کے سامنے گھوڑا بے بس تھا کیونکہ ____________
5. آپس میں لڑنا جھگڑنا ٹھیک نہیں کیونکہ ____________

نیچے دیے ہوئے جمع الفاظ کی واحد لکھیے

تراکیب   مشکلات   فوائد   تکالیف   بستیاں   تجاویز

سبق کی مدد سے خالی جگہوں کو بھریے

ایک ہرن اور گھوڑے میں بڑی ______ تھی۔ ایک بار کسی بات پر دونوں میں ______ ہوگیا، ہرن ہلکا پھُلکا تھا۔ اُس نے ______ گھوڑے کو خوب ______۔ گھوڑے نے ہرن سے بدلہ لینے کے لیے ایک ______ کی مدد لی۔ اُس نے گھوڑے کی سے ہرن کا شکار کیا۔

اب گھوڑے نے شکاری سے کہا’’ میرا ——— ہو گیا۔اب تم میرے منھ سے یہ لگام ——— اور مجھے جانے دو، شکاری نے کہا یہ لگام اب تمھارے منھ سے نہیں نکلے گی ،تم تو بڑے کام کے ——— ہو، مجھے تو ——— فائدہ ہوا، شکار بھی ملا اور کام کا جانور بھی۔

لکھیے

یہ کہانی آپ کو کیسی لگی پانچ جملوں میں لکھیے

غور کرنے کی بات

یہ کہانی دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی سبق آموز ہے یہ غور کرنا چاہیے کہ

- آپسی لڑائی کا انجام بُرا ہوتا ہے۔
- دشمنی کرتے وقت آدمی انجام بھول جاتا ہے۔

پہلے کام، بعد آرام

کام کے وقت جو آرام کیا کرتے ہیں
آخرِ کار وہ ناکام رہا کرتے ہیں
سخت نادان ہیں وہ لوگ بُرا کرتے ہیں
ہم تو داناؤں سے یہ قول سُنا کرتے ہیں

پہلے تم کام کرو بعد میں آرام کرو

لطف آرام میں ملتا ہے بہت کام کے بعد
کام کرنے میں مزہ آتا ہے آرام کے بعد
دن کو جو سویا تو کیا سوئے گا وہ شام کے بعد
دورِ راحت کا مزہ تلخئ ایّام کے بعد

پہلے تم کام کرو بعد میں آرام کرو

جس کو آرام سے ہر وقت سروکار رہے   فکرِ آرام میں جو کام سے بیزار رہے
کیا تعجب ہے کہ وہ مفلس و نادار رہے   کاہل و خستہ و درماندہ و لاچار رہے
پہلے تم کام کرو بعد میں آرام کرو
چھوڑتے کام ادھورا نہیں ہمّت والے   کام پورا نہیں کرتے کبھی راحت والے
بازی لے جاتے ہیں جو لوگ ہیں محنت والے   ہار جاتے ہیں سدا سُستی و غفلت والے
پہلے تم کام کرو بعد میں آرام کرو

تلوک چند محرومؔ

معنی یاد کیجیے

نادان	:	ناسمجھ، کم عقل
دانا	:	سمجھ دار، عقل مند
آخرکار	:	نتیجے کے طور پر، بالآخر
قول	:	بات، بیان
دورِ راحت	:	آرام کا دور، آسایش کا زمانہ
لطف	:	مزہ
تلخیٔ ایّام	:	کڑواہٹ کے دن، تکلیف کے دن
سروکار	:	واسطہ، تعلق
فکرِ آرام	:	آرام کی فکر
بیزار	:	اکتایا ہوا

تعجب	:	حیرت
مفلس	:	غریب، فقیر، نادار
کاہل	:	سست، کام چور
خستہ	:	خراب، بدحال، تنگ دست، تھکا ماندہ
درماندہ	:	ناچار، عاجز
لاچار	:	مجبور، بے بس
ادھورا	:	نامکمل
بازی لے جانا (محاورہ)	:	جیت جانا، فتح پانا
غفلت	:	لاپرواہی، بے خبری

سوچیے اور بتائیے

1. وقت پر کام نہ کرنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟
2. کامیابی حاصل کرنے کے لیے کس قول پر عمل کرنا چاہیے؟
3. آرام میں لطف کب حاصل ہوتا ہے؟
4. شاعر نے صرف آرام کرنے والوں کے لیے کون کون سے الفاظ استعمال کیے ہیں؟
5. اس نظم میں محنت سے کام کرنے والوں کی کیا کیا خوبیاں بیان کی گئی ہیں؟
6. سستی اور غفلت سے کام کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟
7. 'پہلے کام، بعد آرام' کی تکرار سے شاعر کا کیا مطلب ہے؟

مصرعے مکمل کیجیے

1. ہم تو داناؤں سے یہ ــــــــــــ سنا کرتے ہیں
2. دن کو جو سویا تو کیا سوئے گا وہ ــــــــــــ کے بعد
3. کیا ــــــــــــ ہے کہ وہ مفلس و نادار ہے
4. بازی لے جاتے ہیں جو لوگ ہیں ــــــــــــ والے

نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے

بیزار ہونا   بازی لے جانا   ہار جانا   نادان   غفلت

ان مصرعوں کو صحیح کر کے لکھیے

چھوڑتے کام ادھورا نہیں راحت والے   کام پورا نہیں کرتے کبھی ہمّت والے
بازی لے جاتے ہیں جو لوگ ہیں غفلت والے   ہار جاتے ہیں سدا سُستی و محنت والے

یاد کیجیے

اپنی پسند کے دو بند یاد کیجیے

غور کرنے کی بات

- دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ سورج، چاند، ستارے مقررہ وقت پر اپنے کام انجام دیتے ہیں۔ اس لیے ساری کائنات کا نظام اچھی طرح چل رہا ہے۔ اسی طرح زندگی میں کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لیے وقت کا صحیح استعمال کرنا چاہیے۔ کام کے وقت پوری توجہ سے کام اور آرام کے وقت آرام یہی زندگی کی کامیابیوں اور خوشیوں کا سنہری اصول ہے۔

عیدگاہ

رمضان کے پورے تیس روزوں کے بعد عید آئی۔ کتنی سُہانی اور رنگین صبح ہے۔ درختوں پر کچھ عجیب ہریالی ہے۔ کھیتوں میں کچھ عجیب رَونق ہے۔ آسمان پر کچھ رنگینی ہے۔ آج سورج دیکھو کتنا پیارا ہے، کتنا ٹھنڈا ہے گویا دنیا کو عید کی مُبارک باد دے رہا ہے۔ گاؤں میں کتنی چہل پہل ہے۔ عید گاہ جانے کی دھوم ہے۔ کسی کے کُرتے میں بٹن نہیں ہیں، تو وہ پڑوس کے گھر سے سُوئی تاگا لینے جا رہا ہے۔ کسی کے جوتے سخت ہو گئے ہیں، وہ انھیں تیل اور پانی سے نرم کر رہا ہے۔ کوئی جلدی سے بیلوں کو سانی پانی دے رہا ہے۔ عید گاہ سے لوٹتے لوٹتے دوپہر ہو جائے گی۔ لڑکے سب سے زیادہ خوش ہیں۔ کسی نے ایک روزہ رکھا، وہ بھی دوپہر تک؛ کسی نے وہ بھی نہیں؛ لیکن عید گاہ جانے کی خوشی ان ہی کا حصّہ ہے۔ روزے بڑے بوڑھوں کے لیے ہوں گے۔ بچّوں کے لیے تو عید ہے۔ سویّوں کے لیے گھر میں دودھ، شکر اور میوے ہیں کہ نہیں اُن کی بَلا سے۔ اُن کی اپنی جیبوں میں تو قارون کا خزانہ رکھا ہوا ہے۔ بار بار جیب سے اپنا خزانہ نکال کر گنتے ہیں، دوستوں کو دکھاتے ہیں اور خوش ہو کر رکھ لیتے ہیں۔ اِن ہی دو چار پیسوں میں دنیا کی ساری نعمتیں لائیں گے۔ کھلونے، مٹھائیاں اور بِگل اور خدا جانے کیا کیا۔ اور سب سے زیادہ خوش ہے حامد۔ وہ چار سال کا غریب صُورت بچّہ ہے۔ جس کا باپ پچھلے سال ہیضے کی نذر ہو گیا اور ماں نہ جانے کیوں زرد ہوتے ہوتے ایک دن مر گئی۔ اب حامد اپنی بوُڑھی دادی امینہ کی گود میں سوتا ہے — اور اتنا ہی خوش ہے۔ اُس کے ابّا جان روپے کمانے گئے ہیں، بہت سی تھیلیاں لے کر آئیں گے۔ امّی جان اللہ میاں کے گھر اُس کے لیے بڑی اچھی اچھّی چیزیں لینے گئی ہیں۔ اِسی لیے حامد خوش ہے۔ اُمید تو بہت بڑی چیز ہے۔ حامد کے پاؤں میں جوتے نہیں ہیں۔ سر پر ایک پُرانی دُھرانی ٹوپی ہے، جس کا گوٹا سیاہ ہو گیا ہے۔ پھر بھی وہ خوش ہے۔ جب اُس کے ابّا جان تھیلیاں اور امّی جان نعمتیں لے کر آئیں گی، تب وہ دل کے ارمان نکالے گا۔

بدنصیب امینہ اپنی کوٹھری میں بیٹھی رو رہی ہے۔ آج عید کا دن ہے۔ اور اس کے گھر میں دانہ نہیں ہے۔ کس نے بُلایا تھا اِس نگوڑی عید کو؟ اس گھر میں اِس کا کام نہیں، لیکن حامد — اُسے کسی کے مرنے جینے سے کیا مطلب! اُس کے

اندر روشنی ہے، باہر امید — !

حامد اندر جا کر دادی سے کہتا ہے۔ ''تم ڈرنا نہیں امّاں، میں گاؤں والوں کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ میں سب سے پہلے آؤں گا۔ بالکل نہ ڈرنا۔''

لیکن امینہ کا دل نہیں مانتا۔ گاؤں کے بچّے اپنے اپنے باپ کے ساتھ جا رہے ہیں۔ حامد کیا اکیلا ہی جائے گا؟ اِس بھیڑ بھاڑ میں کہیں کھو جائے تو کیا ہو، نہیں امینہ اُسے تنہا نہ جانے دے گی۔ ننھّی سی جان، پاؤں میں چھالے نہ پڑ جائیں — ! مگر وہ چلی جائے تو یہاں سویّاں کون پکائے گا؟ بھوکا پیاسا دوپہر کو لوٹے گا۔ کیا اُس وقت سویّاں پکانے بیٹھے گی؟ رونا تو یہ ہے کہ امینہ کے پاس پیسے بھی نہیں۔ اُس نے فہیمن کے کپڑے سیے تھے۔ آٹھ پیسے ملے تھے۔ اِس اُٹھنّی کو ایمان کی طرح بچاتی چلی آئی تھی۔ اِس عید کے لیے۔ لیکن کل گوالن سر پر سوار ہو گئی، تو کیا کرتی — ! حامد کے لیے کچھ نہیں ہے تو دو پیسے کا دودھ تو چاہیے ہی، اب تو کُل دو آنے بچ رہے ہیں۔ تین پیسے حامد کی جیب میں اور پانچ پیسے امینہ کے بٹوے میں — ! یہی تو بِساط ہے اور عید کا تیوہار۔ اللہ ہی بیڑا پار لگائے۔

گاؤں سے میلا چلا اور بچّوں کے ساتھ حامد بھی جا رہا تھا۔ کبھی سب کے سب دوڑ کر آگے نکل جاتے، پھر کسی درخت کے نیچے کھڑے ہو کر ساتھ والوں کا اِنتظار کرتے۔

شہر کا علاقہ شروع ہو گیا۔ سڑک کے دونوں طرف امیروں کے باغ ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں آنے لگیں۔ یہ

عدالت ہے، یہ کالج ہے، یہ کلب گھر ہے، آگے چلے۔ حلوائیوں کی دکانیں شروع ہوئیں — آج خوب سجی ہوئی تھیں۔

یہ پولیس لائن ہے۔ یہاں پولیس والے پریڈ کرتے ہیں — رائٹ، لِپ، پھام، پھو! رات کو بے چارے گھوم گھوم کر پہرا دیتے ہیں، نہیں تو چوریاں ہو جائیں۔

اب بستی گھنی ہونے لگی۔ عیدگاہ جانے والوں کی ٹولیاں نظر آنے لگیں۔ ایک سے ایک زرق برق پوشاک پہنے ہوئے۔ کوئی تانگے پر سوار، کوئی موٹر پر۔ سبھی عطر میں بسے، سبھی کے دلوں میں اُمنگ — گاؤں والوں کا یہ چھوٹا سا گروہ اپنے آپ میں مگن، چاروں طرف سے بے خبر، اطمینان سے چلا جا رہا تھا۔

اچانک عیدگاہ نظر آئی۔ اوپر اِملی کے درختوں کا سایہ ہے۔ نیچے کھُلا ہوا پُختہ فرش ہے، جس پر جازم بچھی ہوئی ہے۔ اور نمازیوں کی قطاریں ایک کے پیچھے پیچھے دوسری، نہ جانے کہاں تک چلی گئی ہیں۔ پُختہ فرش کے نیچے تک، جہاں جازم بھی نہیں، کئی قطاریں کھڑی ہیں۔ جو آتے ہیں پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آگے اب جگہ نہیں ہے۔ یہاں کوئی رتبہ کوئی عہدہ نہیں دیکھا جاتا۔ اسلام کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ دیہاتیوں نے بھی وضو کیا اور جماعت میں شامل ہو گئے۔ کتنی باقاعدہ مُنظّم جماعت ہے! لاکھوں آدمی ایک ساتھ جُھکتے ہیں اور ایک ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ اور یہ عمل بار بار ہوتا ہے — ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا بجلی کی لاکھوں بتیاں ایک ساتھ روشن ہو جائیں اور ایک ساتھ بُجھ جائیں اور یہی سلسلہ چلتا رہا۔ کوئی ایسی کشش ہے، جس نے سب کو ایک لڑی میں پِرو دیا ہے۔

نماز ختم ہو گئی ہے لوگ ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں۔ پھر مٹھائی اور کھلونوں کی دُکانوں پر دھاوا ہوتا ہے — ہمارے دیہاتیوں کا یہ گروہ اِس معاملے میں بچّوں سے کم پُرجوش نہیں ہے — یہ دیکھو ہِنڈولا ہے۔ ایک پیسہ دے کر چڑھ جاؤ، کبھی آسمان پر جاتے معلوم ہو گے کبھی زمین پر گرتے۔ ایک پیسہ دے کر بیٹھ جاؤ اور پچیس چکروں کا مزہ لو۔ محمود اور مُحسن، نور اور سمیع اُن گھوڑوں اور اونٹوں پر بیٹھے ہیں۔ حامد دُور کھڑا ہے تین ہی پیسے تو اس کے پاس ہیں۔ ذرا سا چکّر کھانے کے لیے اپنے خزانے کا ایک تہائی نہیں دے سکتا۔

سب اُترتے ہیں۔ اب کھلونے لیں گے۔ اِدھر دُکانوں کی قطاریں لگی ہوئی ہیں۔ طرح طرح کے کھلونے ہیں — سپاہی، گجریا، راجا اور وکیل، دھوبن، بہشتی اور سادھو۔

واہ کتنے خوب صورت کھلونے ہیں! اور بولا ہی چاہتے ہیں۔ محمود سپاہی لیتا ہے خاکی وردی اور لال پگڑی۔ کندھے پر بندوق۔ معلوم ہوتا ہے ابھی قواعد کے لیے چلا آ رہا ہے۔ مُحسن کو بہشتی پسند آیا، کمر جھکی ہوئی ہے۔ اُس پر مشک

رکھے ہوئے ہے۔مشک کا منھ ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہے۔کتنا خوش ہے۔شاید گیت گا رہا ہے۔مشک سے پانی انڈیلا ہی چاہتا ہے۔نورے کو وکیل سے پریم ہے۔کیسی ذہانت ہے اُس کے منھ پر۔کالا چُغہ پہنے نیچے سفید اچکن کی جیب میں سنہری زنجیر۔ایک ہاتھ میں قانون کی کتاب لیے ہوئے ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کسی عدالت سے جرح یا بحث کرکے چلے آرہے ہیں۔ یہ سب دو دو پیسے کے ہیں مگر حامد دو پیسے کا ایک کھلونا لے لے تو پھر اور کیا لے گا— ''نہیں کھلونے فضول سے ہیں۔ کہیں ہاتھ سے چھوٹ پڑیں تو چُور چُور ہو جائیں۔ ذرا سا پانی پڑ جائے تو سارا رنگ دُھل جائے۔اِن کھلونوں کو لے کر وہ کیا کرے گا۔کس مَصرف کے ہیں؟''

مُحسن کہتا ہے۔''میرا بہشتی روز پانی دینے جائے گا، صبح و شام۔''

سمیع : ''اور میری دھوبن روز کپڑے دھوئے گی۔''

حامد کھلونوں کی برائی کرتا ہے۔''مٹّی کے تو ہیں، گریں تو چکنا چُور ہو جائیں۔'' لیکن ہر چیز کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔اور چاہتا ہے کہ ذرا دیر کے لیے انھیں ہاتھ میں لے کر دیکھے۔اُس کے ہاتھ بے ساختہ بڑھتے ہیں۔ لیکن لڑکے اتنے فیّاض نہیں ہوتے – خاص کر جب نیا خون ہو۔حامد للچا تا رہ جاتا ہے۔

کھلونوں کے بعد اب مٹھائی کا نمبر آیا۔کسی نے ریوڑیاں لی ہیں، کسی نے گُلاب جامن کسی نے سوہن حلوہ – مزے سے کھا رہے ہیں۔حامد اُن کی برادری سے خارج ہے — کم بخت کی جیب میں تین پیسے تو ہیں۔کیوں نہیں

کچھ لے کر کھاتا۔ لالچی نظروں سے سب کی طرف دیکھتا ہے۔

مُحسن نے کہا۔ ''حامد! یہ ریوڑی لے جا کتنی خوشبودار ہیں؟''

حامد کو شُبہ ہوا کہ یہ محض شرارت ہے۔ مُحسن اتنا فیاض طبع نہیں ہے۔ لیکن یہ جان کر پھر بھی اس کے پاس گیا۔ مُحسن دونے سے ایک ریوڑی نکال کر حامد کی طرف بڑھاتا ہے۔ حامد ہاتھ پھیلاتا ہے۔ مُحسن ریوڑی اپنے منھ میں رکھ لیتا ہے — محمُود، نورے، سمیع خوب تالیاں بجا بجا کر ہنستے ہیں۔ حامد کھسیانا ہو جاتا ہے۔

مُحسن: ''اچھا اب ضرور دیں گے، حامد! اللہ قسم – لے جا!''

حامد: ''رکھے رہو کیا میرے پاس پیسے نہیں ہیں؟''

سمیع: ''تین ہی پیسے تو ہیں کیا کیا لو گے؟''

محمود: ''ہم سے گلاب جامن لے جاؤ حامد! مُحسن شریر ہے۔''

حامد: ''مٹھائی کون بڑی نعمت ہے۔ کتاب میں اُس کی برائیاں لکھی ہیں۔''

مُحسن: ''لیکن جی میں کہہ رہے ہو گے کہ کچھ مل جائے تو کھا لیں۔ اپنے پیسے کیوں نہیں نکالتے – ؟''

محمود: ''میں اِس کی ہوشیاری سمجھتا ہوں۔ جب ہمارے سارے پیسے خرچ ہو جائیں گے، تب یہ مٹھائی لے گا اور ہمیں چڑا چڑا کر کھائے گا —''

حلوائیوں کی دکانوں کے آگے کچھ دُکانیں لوہے کی چیزوں کی تھیں — لڑکوں کے لیے یہاں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا۔ حامد لوہے کی دُکان پر رُک جاتا ہے۔ دست پناہ رکھے ہوئے تھے — وہ دست پناہ خریدے گا۔ دادی کے پاس دست پناہ نہیں ہے۔ توے سے روٹیاں اُتارتی ہیں تو ہاتھ جل جاتا ہے۔ اگر وہ دادی کو دست پناہ لے کر دے دے تو وہ کتنی خوش ہوں گی۔ پھر ان کی انگلیاں کبھی نہ جلیں گی — گھر میں ایک کام کی چیز آ جائے گی۔ کھلونوں سے کیا فائدہ؟ مفت میں پیسے خراب ہوتے ہیں۔ ذرا ہی دیر کو تو خوشی ہوتی ہے۔ پھر تو اُنھیں کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ گھر پہنچتے پہنچتے ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جاتے ہیں یا چھوٹے بچّے جو عیدگاہ نہیں جا سکتے ہیں، ضدّ کر کے لے لیں گے اور توڑ ڈالیں گے۔ دست پناہ کتنے فائدے کی چیز ہے! روٹیاں توے سے اُتارو، چولھے سے آگ نکال کر دے دو۔ دادی کو کہاں فُرصت ہے بازار جائیں اور اتنے پیسے کہاں ملتے ہیں۔ روز ہاتھ جلا لیتی ہیں۔

حامد کے ساتھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ کتنے خودغرض اور لالچی ہیں۔ سب نے اتنی مٹھائیاں لیں۔ کسی نے مجھے ایک بھی نہ دی۔ اس پر کہتے ہیں کہ میرے ساتھ کھیلو۔ میری تختی دھولاؤ۔ اب اگر میاں مُحسن نے کسی کام کو کہا تو خبر لوں گا۔ کھائیں مٹھائی، آپ منھ سڑے گا، پھوڑے پھنسیاں نکلیں گی۔ آپ ہی چٹوری زبان ہوجائے گی۔ تب پیسے گھر سے چرائیں گے اور مار کھائیں گے۔ کتاب میں جھوٹی باتیں تھوڑی لکھی ہیں۔ میری زبان کیوں خراب ہوگی— اُس نے پھر سوچا۔ ددای دست پناہ دیکھتے ہی دوڑ کر میرے ہاتھ سے لے لیں گی۔ اور کہیں گی کہ میرا بچّہ امّاں کے لیے دست پناہ لایا ہے۔ ہزاروں دعائیں دیں گی۔ اِن لوگوں کے کھلونوں پر انھیں کون دعا دے گا۔ بزرگوں کی دعائیں سیدھی خدا کی بارگاہ میں پہنچتی ہے اور فوراً قبول ہوتی ہیں۔

دُکان دار نے اُس کی طرف دیکھا اور ساتھ کوئی آدمی نہ دیکھ کر بولا :

''تمھارے کام کا نہیں جی!''

''بکاؤ ہے کہ نہیں؟''

''بکاؤ کیوں نہیں ہے اور یہاں کیوں لاد کر لائے ہیں؟''

''تو بتاتے کیوں نہیں۔ کے پیسے کا دوگے؟''

''چھ پیسے لیں گے۔''

''ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔''

''ٹھیک پانچ پیسے لیں گے۔ لینا ہو تو لو۔''

حامد کا دل بیٹھ گیا۔ حامد نے کلیجہ مضبوط کر کے کہا، ''تین پیسے لو گے؟'' یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا کہ دُکان دار کی گھڑکیاں نہ سُنے۔ مگر دُکان دار نے گھُڑکیاں نہ دیں۔ بُلا کر دست پناہ دے دیا اور پیسے لے لیے۔

حامد نے دست پناہ کندھے پر رکھ لیا، گویا بندوق ہے اور شان سے اکڑتا ہوا اپنے دوستوں کے پاس آیا۔

مُحسن نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہ دست پناہ لایا ہے۔ احمق اِس کا کیا کرے گا؟''

حامد نے دست پناہ زمین پر پٹک کر کہا۔ ''ذرا اپنا بہشتی زمین پر گرا کر دیکھو۔ ساری ملیاں چور چور ہو جائیں گی بچّا کی۔''

محمود : ''تو یہ دست پناہ کوئی کھلونا ہے؟''

حامد : ''کھلونا کیوں نہیں ہے۔ ابھی کندھے پر رکھّا بندوق ہو گیا۔ ہاتھ میں لے لیا تو فقیر کا چمٹا ہو گیا۔ چاہوں تو اِس سے تمھاری ناک پکڑ لوں، چاہوں تو اِس سے چھُرے کا کام بھی لے سکتا ہوں۔ ایک چمٹا جما دوں تو تمھارے سارے کھلونوں کی جان نکل جائے۔ تمھارے کھلونے چاہے کتنا ہی زور لگائیں اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ میرا بہادر شیر ہے یہ دست پناہ!''

سمیع متاثر ہو کر بولا — ''میری خنجری سے بدلو گے، دو آنے کی ہے۔''

حامد نے خنجری کی طرف حقارت دیکھ کر کہا — ''میرا دست پناہ چاہے تو تمھاری خنجری کا پیٹ پھاڑ ڈالے۔ بس ایک چمڑے کی جھلّی لگا دی، ڈھب ڈھب بولنے لگی — ذرا سا پانی لگے تو ختم ہو جائے — میرا دست پناہ آگ میں، پانی میں، آندھی میں، طوفان میں برابر ڈٹا کھڑا رہے گا۔''

اب دو فریق ہو گئے۔ محمود، مُحسن اور نورے ایک طرف۔ حامد، یکّا و تنہا، دوسری طرف۔ سمیع غیر جانب دار ہے، جس کی فتح دیکھے گا، اُس کی طرف ہو جائے گا۔ لیکن مُحسن محمود اور نورے دو دو سال بڑے ہونے پر بھی حامد کے حملوں سے پریشان ہو رہے تھے۔ اُس کے پاس انصاف کی قوّت تھی۔ ایک طرف مٹّی ہے دوسری طرف لوہا جو اِس وقت اپنے آپ کو فولاد کہہ رہا ہے۔

مُحسن نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کہا۔ ’’ اچھا پانی تو نہیں بھر سکتا۔‘‘

حامد نے دست پناہ کو سیدھا کر کے کہا۔ ’’ یہ بہشتی کو ایک ڈانٹ بتائے گا تو وہ دوڑتا ہوا پانی لے کر آئے گا اور اُس کے دروازے پر چھڑ کنے لگے گا۔‘‘

مُحسن کا ناطقہ بند ہوگیا — محمود نے کُمک پہنچائی۔ ’’ بچّا گرفتار ہو جائیں تو عدالت میں بندھے بندھے پھریں گے تب تو وکیل صاحب کے پیروں پڑیں گے۔‘‘

حامداس وار کا جواب نہ دے سکا۔ اُس نے پوچھا۔ ’’ اُسے پکڑنے کون آئے گا؟‘‘

نورے نے کہا۔ ’’ یہ سپاہی بندوق والا۔‘‘

حامد نے منہ چڑا کر کہا۔ ’’ یہ بے چارے اِس رستمِ ہند کو پکڑیں گے؟ اچھالاؤ ابھی ذرا مقابلہ ہو جائے۔ اس کی صورت دیکھتے ہی بچّا کی ماں مر جائے گی ۔ پکڑیں گے کیا بچارے؟‘‘

مُحسن نے تازہ دم ہو کر وار کیا — ’’ تمھارے دست پناہ کا منھ روز آگ میں جلے گا۔‘‘

حامد کے پاس جواب تیار تھا — ’’ آگ میں بہادر کودتے ہیں جناب! تمھارے یہ وکیل صاحب اور سپاہی اور بہشتی ڈرپوک ہیں۔ سب گھر میں گھُس جائیں گے۔ آگ میں کودنا وہ کام ہے جو رُستم ہی کر سکتا ہے۔‘‘

محمود نے ایک پھر زور لگایا— ’’ تمھارا دست پناہ باورچی خانے میں زمین پر پڑا رہے گا۔ اور وکیل صاحب کرسی پر بیٹھیں گے۔‘‘

حامد سے جواب نہ پڑا تو اُس نے دھاندلی شروع کی۔ میرا دست پناہ باورچی خانے میں زمین پر نہیں پڑا رہے گا۔ وکیل صاحب کرسی پر بیٹھیں گی تو جا کر اُنھیں زمین پر پٹک دے گا اور سارا قانون اُن کے پیٹ میں ڈال دے گا۔‘‘

اس کے جواب میں بالکل جان نہ تھی، بالکل بے تُکی سی بات۔ لیکن قانون پیٹ میں ڈالنے والی بات چھا گئی۔ ایسی چھا گئی کہ تینوں سوُرما منھ تکتے رہ گئے۔ حامد نے میدان جیت لیا۔ اس کا دست پناہ رُستم ہند ہے اِس میں کسی کو بھی چوں وچرا کی گنجائش نہیں۔

مُحسن نے کہا۔ ’’ ذرا اپنا چمٹا دو۔ ہم بھی دیکھیں۔ تم چاہو تو ہمارا بہشتی لے کر دیکھو۔‘‘ محمود اور نورے نے بھی اپنے

اپنے کھلونے پیش کیے۔ حامد کو کوئی اعتراض نہیں۔ دست پناہ باری باری محمود، مُحسن اور سمیع کے ہاتھ میں گیا اور اُن کے کھلونے باری باری سے حامد کے ہاتھ میں آئے۔

حامد نے ہارنے والے کے آنسو پونچھے۔ ''میں تمھیں چڑا رہا تھا، سچ یہ چمٹا کھلونوں کی کیا برابری کرے گا۔''

لیکن مُحسن کی پارٹی پر اس دلاسے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ چمٹے کا سکّہ خوب بیٹھ گیا۔

مُحسن : ''لیکن اِن کھلونوں کے لیے کوئی ہمیں دُعا تو نہ دے گا۔''

محمود : ''دعا کے لیے پھرتے ہو، الٹے مار نہ پڑے۔ امّاں ضرور کہیں گی کہ میلے میں یہی مٹّی کے کھلونے ملے۔''

حامد کی یہ بات ماننی پڑی کہ کھلونوں کو دیکھ کر کسی کی ماں اتنی خوش نہ ہوگی، جتنی حامد کی دادی چمٹے کو دیکھ کر خوش ہوں گی۔

راستے میں محمؔود کو بھوک لگی۔ اس کے باپ نے کیلے کھانے کو دیے۔ محمود نے صرف حامد کو ساجھی بنایا۔ اس کے دوسرے یار منھ تکتے رہ گئے۔ یہ اسی چمٹے کی کرامت تھی۔

گیارہ بجے سارے گاؤں میں چہل پہل ہوگئی۔ میلے والے آ گئے۔ مُحسن کی چھوٹی بہن نے دوڑ کر بہشتی کو اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور مارے خوشی کے جو اُچھلی تو میاں بہشتی نیچے آ رہے۔ اس پر بھائی بہن میں مار پیٹ ہوئی۔ دونوں خُوب خُوب روئے۔ اُن کی امّاں جان یہ کُہرام سن کر اور بگڑیں۔ دونوں کو اُوپر سے دو دو چانٹے رسید کیے— میاں نورے کے وکیل صاحب کا حشر اِس سے بھی بدتر ہوا۔ وکیل زمین یا طاق پر تو بیٹھ نہیں سکتا۔ اُس کی پوزیشن کا تو خیال رکھنا ہی پڑے گا۔ دیوار میں دو کھونٹیاں گاڑی گئیں۔ اُن پر چیڑ کا پرانا پٹرا رکھا گیا— پٹرے پر کاغذ کا قالین بچھایا گیا۔ وکیل صاحب تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ نورے پنکھا لے کر جھلنے لگا۔ معلوم نہیں پنکھے کی ہوا سے یا پنکھے کی چوٹ سے، وکیل صاحب نیچے آ رہے۔ پھر بڑے زور سے ماتم ہوا اور وکیل صاحب کی لاش گھورے پر پھینک دی گئی۔

اب رہے میاں محمود کے سپاہی۔ اُسے چٹ پٹ گاؤں کا پہرا دینے کا چارج مل گیا لیکن پولیس کا سپاہی معمولی شخص تو نہیں، جو اپنے پیروں چلے۔ ایک ٹوکری آئی۔ اُس میں لال رنگ کے پھٹے پرانے کپڑے بچھا کر پالکی بنائی گئی۔ اُس میں سپاہی صاحب آرام سے لیٹے۔ محمود نے ٹوکری اٹھائی اور دروازے کا چکّر لگانے لگے۔ اُن کے دونوں چھوٹے بھائی ''چھونے والے جاگتے رہو'' پکارتے چلتے ہیں۔ مگر رات تو اندھیری ہونی چاہیے۔ محمود کو ٹھوکر

لگ جاتی ہے،ٹوکری اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گِر پڑتی ہے اور میاں سپاہی بندوق لیے زمین پر آجاتے ہیں اور ان کی ایک ٹانگ بیکار ہو جاتی ہے۔

اب میاں حامد کا قصّہ سُنیے: امینہ اس کی آواز سنتے ہی دوڑی اور اُسے گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگی۔ دفعتاً اس کے ہاتھ میں چمٹا دیکھ کر وہ چونک پڑی۔

''یہ دست پناہ کہاں ملا بیٹا؟''

''میں نے مول لیا ہے۔''

''کتنے پیسے میں؟''

''تین پیسے میں۔''

امینہ نے چھاتی پیٹ لی۔ یہ کیسا بے سمجھ لڑکا ہے کہ دو پہر ہوگئی، نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ لایا کیا۔بس دست پناہ ——! سارے میلے میں تجھے اور چیز نہ ملی جو یہ لوہے کا چمٹا اٹھا لایا؟''

حامد نے خطاوارانداز میں کہا —— ''تمھاری انگلیاں توے سے جل جاتی تھیں اِس لیے میں نے یہ لے لیا۔''

بڑھیا کا غصّہ فوراً شفقت میں بدل گیا،اور شفقت بھی وہ نہیں جو بیان کی جا سکتی ہے اور اپنی ساری تاثیر لفظوں میں مُنتشر کر دیتی ہے۔ یہ نا قابلِ اظہار شفقت تھی، درد اور اِلتجا میں ڈوبی ہوئی۔ اُف! کتنی نفس کُشی ہے، کتنی جاں سوزی ہے۔ بچّے نے کتنا

ضبط کیا ہوگا۔ جب دوسرے لڑکے کھلونے لے رہے ہوں گے، مٹھائیاں کھا رہے ہوں گے، اُس کا دل کتنا للچایا ہوگا۔ اتنا ضبط اُس سے ہوا کیوں کر! وہاں بھی اپنی بوڑھی دادی کی یاد اُسے رہی۔ امینہ کا دل خوشی سے بھر گیا۔

اور تب ایک بڑی دلچسپ بات ہوئی۔ حامد کے چمٹے سے بھی عجیب۔ بچّے حامد نے تو بوڑھے حامد کا پارٹ ادا کیا تھا، بڑھیا امینہ بچّی بن گئی وہ رونے لگی۔ دامن پھیلا کر حامد کو دعائیں دیتی جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو گراتی جاتی تھی۔ حامد اِس کا راز کیا سمجھتا۔

پریم چند

معنی یاد کیجیے

عید گاہ	:	وہ جگہ جہاں عید اور بقرعید کی نماز پڑھی جاتی ہے
زرق برق	:	چمک دار، بھڑکیلے
پوشاک	:	کپڑے، لباس
منظّم	:	ترتیب اور سلیقے کے ساتھ
عمل	:	کام
بے ساختہ	:	بلا جھجک، اچانک
خارج ہونا	:	نکل جانا
فیاض طبع	:	جس کی طبیعت میں سخاوت ہو، جسے دوسروں کو فیض پہنچانے کی عادت ہو
کُمک	:	مدد

وار	:	حملہ
حشر	:	انجام
گھورا	:	کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ
منتشر کرنا	:	بکھیرنا
نا قابل اظہار	:	جو ظاہر کرنے کے قابل نہ ہو
التجا	:	درخواست
نفس کُشی	:	اپنی خواہشوں کو مارنا
جاں سوزی	:	جی جلانا، دل مارنا
دست پناہ	:	چِمٹا

سوچیے اور بتایئے

1. حامد کی عمر کیا تھی؟
2. عید کے دن حامد کی دادی کیوں رو رہی تھیں؟
3. محمود، مُحسن، نورے اور سمیع نے کون کون سے کھلونے خریدے؟
4. حامد نے دست پناہ کیوں خریدا؟
5. حامد کے دوست دست پناہ سے کیوں متاثر ہوئے؟
6. دوستوں کے کھلونوں کا کیا انجام ہوا؟
7. دادی کا غصّہ شفقت میں کیوں بدل گیا؟

خالی جگہ کو صحیح لفظ سے بھریے

1. رمضان کے پورے ——— روزوں کے بعد عید آئی ہے۔

2. ان کی جیبوں میں تو ـــــــ رکھا ہوا ہے۔
3. انھیں دو چار پیسوں میں دنیا کی ساری ـــــــ لائیں گے۔
4. امینہ کو ڈر تھا کہ اس ـــــــ میں حامد کہیں کھو نہ جائے۔
5. نماز میں کسی کا رتبہ یا ـــــــ نہیں دیکھا جاتا۔
6. کتنی باقاعدہ ـــــــ جماعت ہے۔
7. گیارہ بجے سارے گاؤں میں ـــــــ ہوگئی۔
8. اس کا دست پناہ ـــــــ ہے۔

لکھیے

- آپ عید کا دن کیسے گزارتے ہیں؟
- آپ عیدی کس طرح خرچ کرتے ہیں؟

غور کرنے کی بات

- منشی پریم چند کی یہ کہانی گاؤں کی ایک سیدھی سادی غریب عورت امینہ اور اس کے یتیم پوتے حامد کے ایثار و محبت کی کہانی ہے۔ دادی اپنے پوتے کے لیے ایثار کرتی ہے اور پوتا دادی کی محبت میں اپنے ننّھے سے دل کی خواہشوں کو دبا کر دادی کے لیے چمٹا خرید لاتا ہے۔
- سب سے زیادہ خوش ہے حامد۔ وہ چار سال کا غریب صورت بچّہ ہے۔
- راستے میں محمود کو بھوک لگی۔ اس کے باپ نے کیلے کھانے کو دیے۔
- حامد اندر جا کر دادی سے کہتا ہے ''تم ڈرنا نہیں امّاں، میں گاؤں والوں کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔''

پہلے جملے میں حامد اسم ہے اور لفظ ''وہ'' جو حامد کے لیے استعمال ہوا ہے، ضمیر ہے۔
دوسرے جملے میں محمود کے لیے ضمیر ''اس'' کا استعمال ہوا ہے۔
تیسرے جملے میں حامد کے لیے ''میں'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ضمیر ہے۔ اور دادی کے لیے ضمیر ''تم'' استعمال ہوا ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور

رابندر بابو 7 مئی 1861ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار مہارِشی دیوندر ناتھ ٹیگور کے چودھویں اور سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ گھر والے محبّت سے انھیں ''رابی'' کہتے تھے۔

آپ کے والد مہارشی ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ ان کی ساری زندگی ایشور بھکتی اور غریبوں کی مدد کرنے میں گزری۔ اپنے زمانے کے مشہور عالم تھے۔ بنگالی، سنسکرت اور ہندی کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی زبانیں بھی اچھی خاصی جانتے تھے۔ سچّے دیش بھگت تھے اور شب و روز قوم و ملک کی بہبودی کی فکر میں لگے رہتے تھے۔

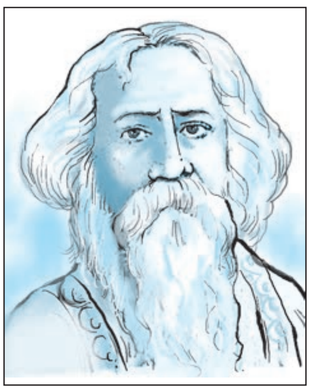

ٹیگور کے خاندان میں بچّوں کی تعلیم وتربیت اسی مخصوص ڈھنگ سے دی جاتی تھی جس پر صدیوں ہندوستان کی تہذیب وتمدن کو فخر رہا ہے۔ صبح سویرے اٹھنا، منھ ہاتھ دھوکر درشن کے لیے اکھاڑے پر پہنچ جانا، اکھاڑے سے نکلتے ہی اسکول چلا جانا۔

تمام دن اسکول میں گزار کر سہ پہر کو جب یہ بچّے واپس آتے تو گھر پر پڑھانے والوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور رات 9 بجے انھیں قیدیوں کی طرح سونے پر مجبور کر دیا جاتا۔

ٹیگور بنگال کے ممتاز ترین امیر خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر اس خاندان میں اپنے بچوں کی تربیت کا ڈھنگ بھی بس نمونے کا تھا۔ بچّوں کے لیے نہ تو قیمتی کپڑوں کا اہتمام تھا، نہ اچھے اچھے مرغن کھانوں کا، نہ عیش وآرام کا وہ تمام سامان فراہم کیا گیا تھا جس نے آج نسلوں کو برباد کر دیا ہے۔ خود ٹیگور معمولی قمیص اور پاجامہ پہنتے۔ عام طور سلیپروں کا ایک جوڑا ملا کرتا تھا۔ گھر پر زیادہ تر ننگے پاؤں رہتے تھے۔

ابھی ٹیگور آٹھ ہی برس کے تھے کہ ان کے بڑے بھائی ''جیوتی ناتھ'' نے ان سے کہا ''رابی تم شعر کیوں نہیں کہتے؟''

ٹیگور نے پہلی نظم ''کنول'' پر لکھی۔ نظم کیسی تھی کچھ پتہ نہیں لیکن ایسا ضرور تھا کہ اسے دیکھ کر جیوتی ناتھ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک آئے۔ انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کی ہمّت بڑھائی اور سب سے پہلے بنگالی بحروں کے اُتار چڑھاؤ پر تعلیم دی۔

ٹیگور کی شاعری کی یہ ابتدا تھی۔ اس کے بعد جب نارمل اسکول پہنچے تو باقاعدہ سرخ رنگ کی کاپی پر شعر لکھنے لگے۔ اکثر فرصت کے وقت یہ اپنے شعر جیوتی بابو کو سنایا کرتے تھے۔ جیوتی، جب انھیں اپنے دوستوں سے ملاتے تو ہمیشہ شاعر کی حیثیت سے تعارف کراتے۔ اس ہمت افزائی کا یہ نتیجہ نکلا کہ یہ جلد شاعر کی حیثیت سے روشناس ہو گئے۔

بات کچھ اور آگے بڑھی ٹیگور کی شہرت نارمل اسکول کے سپرنٹنڈنٹ تک پہنچی۔ انھوں نے ٹیگور کے شعر سن کر انھیں اپنے خاص شاگردوں میں شامل کر لیا۔

ٹیگور کی زندگی جس اَدھوری تعلیم کے دور سے گزر رہی تھی وہ ٹیگور کے خاندان کے لیے کسی طرح اطمینان بخش نہ تھی۔ اپنے بڑے بھائی جیوتی ناتھ کے ساتھ انھیں انگلستان تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ یہ 1877ء کی بات ہے ٹیگور کو پہلے تو ایٹن کالج پھر یونیورسٹی کالج لندن میں داخل کرا دیا گیا۔ جہاں وہ کئی مہینے تک پڑھتے رہے لیکن جلد ہی ان کا دل اُچاٹ ہو گیا۔ تعصب، کالے گورے کا فرق، غلام اور آقا کا امتیاز، ان سب باتوں کو ان کا دل برداشت نہ کر پایا اور ایک مرتبہ پھر انھوں نے اپنا سارا دھیان شعر و شاعری اور ادبی مشغلوں کی طرف لگا دیا۔ اس زمانے میں انھوں نے نظم سے زیادہ نثر لکھنے کی کوشش کی۔

انگلستان میں کچھ دن ٹھہرنے کے بعد جیسے گئے تھے ویسے واپس آئے کوئی ڈگری ساتھ نہ لائے۔ خاندان کے لوگ ناراض تھے۔ اس لیے، ان کو حکم ملا کہ شیلدا ان پہنچ کر جاگیر کا انتظام کریں۔

یہاں انھیں پہلی بار اس ہندوستان کی غریبی اور افلاس، گاؤں والوں کی بھل منساہٹ اور انسانیت کو گہری نظر سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں انھیں غریب کاشت کاروں کی سادہ زندگی سے سابقہ پڑا۔ یہاں وہ غریبوں اور مزدوروں کے دکھ درد میں شریک رہے اور جاگیر کا انتظام اتنا اچھّا کیا کہ سبھی مطمئن ہو گئے۔ یہاں ان کی شاعری کو نئی زندگی ملی۔ ان کے بہت سے ڈرامے اور گیتوں کے مجموعے اسی شیلدا ان کی پیداوار ہیں۔

ٹیگور کو موسیقی سے بھی قدرتی لگاؤ تھا۔ آپ نے بچپن سے موسیقی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے نہ صرف گیت لکھے بلکہ انھیں دلکش دُھنوں پر گا کر سنایا۔ انھوں نے اپنے گیتوں کی دھنیں خود بنائیں۔ ان کی بنائی ہوئی دُھنیں

رفتہ رفتہ بنگال کی سب سے زیادہ مقبول سنگیت بن گئیں۔ انھیں رابندر سنگیت کا نام دیا گیا۔ بنگال کی موسیقی میں رابندر سنگیت کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔

ٹیگور کی ایک اور بات سُن کر آپ کو بڑا اچنبھا ہوگا۔ انھوں نے ساٹھ سال سے زیادہ کی عمر میں مصوّری سیکھی۔ بھلا اتنی عمر کو پہنچ کر انسان کسی نئے فن کو تو کیا سیکھتا اپنے اس فن سے بھی اُکتا جاتا ہے جس کا وہ ماہر ہوتا ہے لیکن ٹیگور نے عمر کے اسی حصے میں ایک نئے فن کو سیکھا پوری توجہ اور محنت سے سیکھا اور ابھی اسے سیکھے ہوئے دس بارہ سال بھی نہ ہوئے تھے کہ مصوّری کے ماہروں نے انھیں مصوّری کے پیغمبر کا درجہ دیا۔ ٹیگور کی تصویریں زیادہ تر قدرتی مناظر پر ہیں، جنگل کے جانوروں پر ہیں اور پرندوں پر ہیں۔ ان تصویروں کی تعداد لگ بھگ تین ہزار ہے۔

ٹیگور ہندوستان کے نہیں، دنیا کے بہت بڑے شاعر تھے۔ بہت بڑے سنگیت کار تھے۔ بہت بڑے مصوّر تھے۔ سب باتوں کے ساتھ ساتھ انسان بھی تھے، بہت بڑے انسان، جس سے ملتے برابری سے ملتے۔ بہت اخلاق سے ملتے۔ جس کسی سے ملتے اس کی حیثیت کے مطابق باتیں کرتے۔

انھوں نے ایک زمین دار یا جاگیر دار کے گھر میں آنکھ کھولی تھی۔ لیکن ان کی سادہ زندگی قابلِ رشک تھی۔ سادہ لباس پہنتے تھے۔ کھانے میں کسی قسم کا تکلّف نہیں۔ ہمیشہ سادہ غذا کھاتے تھے۔ اپنے شاگردوں کو بھی یہی مشورہ دیتے تھے۔ ''سادہ اور قدرتی اصولوں پر زندگی بسر کرو۔''

ٹیگور کو استاد کی حیثیت سے بہت اونچا مقام حاصل ہے۔ ہندوستان کے پرانے رِشیوں کی طرح انھوں نے ہمارے لیے ایک لازوال ترکہ چھوڑا ہے اور وہ ہے شانتی نکیتن۔ انھوں نے کلکتہ سے نوے 90 میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے اسکول کی بنیاد ڈالی۔ یہاں بچّوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ اس اسکول کو چلانے میں انھیں بڑی مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پوری کا گھر بیچا، بیوی کے زیورات فروخت کیے اور تھوڑی بہت امداد باہر سے حاصل کی۔ خدا خدا کر کے اسے وشوا بھارتی کی شکل دی اور اب اس ادارے کو یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہے۔

لافانی شاہکار گیتا نجلی کا خالق اور قومی ترانہ کا جنم داتا 7 اگست 1941ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اَرتھی کے ساتھ کئی میل لمبا جلوس تھا۔ اس جلوس میں ہندو بھی تھے، مسلمان بھی تھے، عیسائی بھی تھے اور سکھ بھی تھے۔ دوسرے ملکوں کے وہ لوگ بھی تھے جو کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور یہ سب شاعرِ اعظم کے آخری درشن کے لیے بے تاب تھے، بے قرار تھے۔

مولوی عبدالحق

معنی یاد کیجیے

مہارشی	بڑے مرتبے والا انسان، سنت
صوفی مَنِش	صوفی جیسا
ایشور بھکتی	خدا کی عبادت
اکھاڑہ	سادھوؤں کے رہنے کی جگہ، کُشتی لڑنے کی جگہ
بہبودی	بھلائی
شب و روز	رات اور دن
صدیوں	سینکڑوں سال
تہذیب	کلچر، بااصول زندگی گزارنے کا طریقہ
تمدن	شہری زندگی
سہ پہر	تیسرا پہر
ممتاز ترین	سب سے زیادہ قابل تعظیم
مرغن کھانے	گھی چکنائی والے کھانے
فراہم کرنا	مہیّا کرنا
تعارف	جانا پہچانا
اطمینان بخش	اطمینان کے قابل
تعصب	طرف داری، جانب داری
آقا	مالک
ادبی مشغلہ	ادبی کام
بھل منساہٹ	شرافت، نیکی
کاشت کار	کسان، کھیتی کرنے والا
جاگیر	وہ زمین جو سرکار سے حاصل ہو، وہ بہت بڑی جائداد جو باپ دادا نے چھوڑی ہو

اچنبھا	:	تعجّب
مقبول	:	پسندیدہ
رشک	:	کسی کی اچھّائی کو دیکھ کر اس جیسا بننے کی خواہش یا اس سے جلن محسوس کرنا
تکلّف	:	بناوٹ، جھجک
لازوال	:	جس میں کبھی گراوٹ یا کمی نہ آئے
لافانی	:	ہمیشہ باقی رہنے والا
شاہکار	:	سب سے بڑا کارنامہ
امتیاز	:	فرق، منفرد پہچان
درشن	:	دیدار
اعزاز	:	عزّت، رتبہ، مرتبہ
مصوّر	:	تصویر بنانے والا

سوچیے اور بتایئے

1. رابندر ناتھ ٹیگور کہاں پیدا ہوئے؟
2. رابندر بابو کو گھر والے کس نام سے پکارتے تھے؟
3. ٹیگور خاندان میں تعلیم و تربیت کا کیا طریقہ تھا؟
4. ٹیگور نے شاعری کس کے کہنے سے شروع کی؟
5. انگلستان تعلیم حاصل کرنے کے لیے ٹیگور کو کیوں بھیجا گیا؟
6. ٹیگور تعلیم چھوڑ کر وطن واپس کیوں آ گئے؟
7. موسیقی سے ٹیگور کی دلچسپی کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟
8. شیلدا ان جا کر ٹیگور کو کیا دیکھنے کا موقع ملا؟
9. ٹیگور نے مصوّری کس عمر میں سیکھی؟
10. ٹیگور نے کیسی زندگی گزاری؟

11. ٹیگور اپنے شاگردوں کو کیا مشورہ دیتے تھے؟
12. تعلیم کو فروغ دینے کے لیے ٹیگور نے کیا کیا کام کیے؟
13. ہمارا ''قومی ترانہ'' کیا ہے؟ اور اسے کس نے لکھا ہے؟
14. رابندر ناتھ ٹیگور کا انتقال کب اور کہاں ہوا؟

خالی جگہ کو صحیح لفظ سے بھریے

1. رابندر ناتھ ٹیگور کے لافانی شاہکار ——— کو نوبل پرائز کے لیے منتخب کیا گیا۔
2. رابندر بابو ——— کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔
3. آپ اپنے والد بزرگوار مہارِشی دیوندر ناتھ ٹیگور کے ——— اور سب سے ——— بیٹے تھے۔
4. گھر والے محبت سے انھیں ''———'' کہتے تھے۔
5. ٹیگور نے پہلی نظم ——— پر لکھی۔
6. انھوں نے ——— سے زیادہ کی عمر میں مصوّری سیکھی۔
7. انھوں نے ہمارے لیے ایک ——— ترکہ چھوڑا ہے اور وہ ہے شانتی نکیتن۔

نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے

قومی ترانہ تعلیم و تربیت ہمت افزائی لازوال شب و روز تہذیب و تمدن

واحد سے جمع اور جمع سے واحد بنائیے

صوفی فکر خاندان بحروں اشعار شعرا کاشتکاروں

گیتوں ڈراما فن تصاویر مناظر اصول ملکوں مشاغل

ان لفظوں کے متضاد لکھیے

مغرب محبّت زوال ابتدا شاگرد باقاعدہ فروخت لافانی

صحیح جملے پر صحیح ☑ اور غلط پر غلط ☒ کا نشان لگائیے

1. رابندر ناتھ ٹیگور کو احترام اور محبت سے گورو دیو بھی کہا جاتا ہے۔ ( )
2. ٹیگور بنگال کے غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ( )
3. ٹیگور کو ہندوستان کا قومی شاعر مانا جاتا ہے کیوں کہ ان کی لکھی ہوئی نظم ''جن گن من'' ہمارے ملک ہندوستان کا قومی ترانہ ہے۔ ( )
4. ٹیگور نے انگلستان میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ ( )
5. ٹیگور نے ''شانتی نکیتن'' کی بنیاد ڈالی تھی۔ ( )

نیچے دیے ہوئے واقعات کو صحیح ترتیب سے لکھیے

1. ابھی ٹیگور آٹھ برس کے تھے کہ ان کے بڑے بھائی ''جیوتی ناتھ'' نے ان سے کہا ''رابی تم شعر کیوں نہیں لکھتے؟''
2. یہاں انھیں غریب کاشت کاروں کی سادہ زندگی سے سابقہ پڑا۔
3. رابندر بابو 7 مئی 1861ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔
4. انگلستان میں کچھ دن ٹھہرنے کے بعد جیسے گئے تھے ویسے واپس آئے کوئی ڈگری ساتھ نہ لائے۔
5. انھوں نے کلکتہ سے نوے (90) میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے اسکول کی بنیاد ڈالی۔
6. ٹیگور کو استاد کی حیثیت سے بہت اونچا مقام حاصل ہے۔
7. ٹیگور نے پہلی نظم ''کنول'' پر لکھی۔

نیچے دیے ہوئے لفظوں میں سے مذکر اور مؤنث الگ الگ کر کے لکھیے

اعلان اعزاز زندگی مدد تہذیب تعلق شعر نظم

غور کیجیے اور لکھیے

اردو زبان میں ہندی زبان کے بہت سے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جیسے لفظ درشن۔ درشن کو اردو میں دیدار کہتے ہیں۔ اسی طرح نیچے ہندی کے کچھ الفاظ دیے جا رہے ہیں ان کے اردو لفظ لکھیے۔

ڈھنگ جنم داتا اچنبھا دیش بھکتی سنگیت

یاد رکھیے

- رابندر ناتھ ٹیگور کے ہندوستان کے قومی شاعر ہیں۔
- رابندر ناتھ ٹیگور کو احترام اور محبت سے گرودیو بھی کہتے ہیں۔
- رابندر ناتھ ٹیگور کی کتاب گیتا نجلی کو ''نوبل پرائز'' مِلا جو دنیا کا سب سے بڑا انعام ہے۔

غور کرنے کی بات

- رابندر ناتھ ٹیگور بنگال کے امیر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔
- لیکن انھوں نے سادہ زندگی بسر کی۔
- وہ غریبوں اور مزدوروں کے دکھ درد میں شریک رہے اور انھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔

بارش کا پہلا قطرہ

ہر قطرے کے دل میں تھا یہ خطرہ　　ناچیز ہوں میں غریب قطرہ
آتی ہے برسنے سے مجھے شرم　　مٹّی، پتھر تمام ہیں گرم
اک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور　　ہمت کے محیط کا شناور
بولا للکار کے، کہ آؤ　　میرے پیچھے قدم بڑھاؤ
مل کر جو کروگے جاں فشانی　　میدان میں پھیر دوگے پانی
دیکھی جرأت جو اس سخی کی　　دوچار نے اور پیروی کی
پھر ایک کے بعد ایک لپکا　　قطرہ قطرہ زمیں پہ ٹپکا
آخر قطروں کا بندھ گیا تار　　بارش ہونے لگی موسلادھار

اے صاحبو! قوم کی خبر لو
قطروں ہی سا اتفاق کر لو

اسمٰعیل میرٹھی

معنی یاد کیجیے

قطرہ : بوند
خطرہ : ڈر، خوف
دلاور : دلیر، بہادر
شناور : تیرنے والا، تیراک
محیط : دریا، سمندر، گھیرے والا
جاں فشانی : جی جان سے کوشش کرنا
جرأت : حوصلہ، ہمت، بہادری
سخی : داتا، فیاّض، مراد ہمت والا، حوصلے والا
پیروی : کسی کے پیچھے چلنا
اتفاق : میل ملاپ، دوستی، اتحاد

سوچیے اور بتائیے

1. ہر قطرے نے اپنے کو ناچیز اور غریب کیوں کہا ہے؟
2. دلاور قطرے نے کیا کہا؟
3. شاعر نے سخی کس کو کہا ہے؟
4. سخی کی جرأت دیکھ کر دوسرے قطروں نے کیا کیا؟
5. شاعر اس نظم میں کیا پیغام دینا چاہتا ہے؟

نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے

قطرہ خطرہ دلاور شناور جاں فشانی جرأت سخی پیروی قوم

مصرعوں کو مکمل کیجیے

1. ناچیز ہوں میں ______________
2. مٹّی، پتھر تمام ہیں ______________
3. ایک قطرہ کہ تھا بڑا ______________
4. میرے پیچھے قدم ______________
6. قطرہ قطرہ زمیں پر ______________
7. اے ______________! قوم کی خبر لو

ان لفظوں کے متضاد لکھیے

گرم سخی زمین اتفاق

اشعار مکمل کیجیے

1. ہر قطرے کے دل میں تھا یہ خطرہ ______________
2. ______________ ہمّت کے محیط کا شناور
3. بولا للکار کے، کہ، آؤ ______________
4. دیکھی جرأت جو اس سخی کی ______________
5. ______________ قطروں ہی سا اتفاق کر لو

واحد سے جمع اور جمع سے واحد بنائیے

قطرہ خطرہ پتھروں اقدام قوم خبریں

کالم ''ب'' سے صحیح مصرعے تلاش کر کے مکمل کیجیے

(الف)	(ب)
ہر قطرے کے دل میں تھا یہ خطرہ	بارش ہو نے لگی موسلادھار
آخر قطروں کا بندھ گیا تار	ناچیز ہوں میں غریب قطرہ
اک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور	قطروں ہی سا اتفاق کر لو
اے صاحبو! قوم کی خبر لو	ہمّت کے محیط کا شناور

یاد کیجیے

اس نظم کو زبانی یاد کیجیے

غور کرنے کی بات

- غریب کے ایک معنی آپ جانتے ہیں۔ یہاں لفظ غریب کم حیثیت اور کم قیمت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
- سخی کے معنی ''داتا'' اور ''فیّاض'' کے ہیں یہاں لفظ سخی ہمّت والا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ہمارے تہوار

ہمارا ملک ہندوستان تہواروں کا ملک ہے۔ یہاں بہت سے مذہبوں کے ماننے والے ایک ساتھ رہتے ہیں۔ ہر مذہب کے ماننے والوں کے مخصوص عقیدے اور رسم ورواج ہیں۔ سبھی تہوار خوشی اور امن کا پیغام دیتے ہیں۔ یہ تہوار ہندوستانی تہذیب کے مختلف پہلوؤں کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔

جو تہوار پورے ملک میں منائے جاتے ہیں ان میں ہولی، دیوالی، عید الفطر، عید الاضحیٰ، کرسمس، گرونانک جینتی اور رام نومی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ علاقائی سطح پر منائے جانے والے اہم تہواروں میں جنم اشٹمی، بدھ پورنیما، مہاویر جینتی، اونم، پونگل، دسہرہ اور بیساکھی وغیرہ ہیں۔ آیئے! آج ہم ان میں سے کچھ اہم تہواروں کے بارے میں آپ کو بتاتے ہیں۔

راگ رنگ اور مستی کا تہوار ہولی ہندوؤں کا مشہور تہوار ہے۔ یہ تہوار پھاگُن کے مہینے کے آخر یعنی فروری مارچ میں منایا جاتا ہے۔ ہولی کا تہوار جاڑے کا موسم ختم ہونے اور موسمِ گرما شروع ہونے کا اعلان ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہرن کشیپ نام کا ایک ظالم راجہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے پرہلاد کو جلانے کی کوشش کی لیکن وشنو جی کی مہربانی سے وہ بچ گیا۔ اس کوشش میں پرہلاد کی 'بوا' ہولیکا جل کر ختم ہوگئی۔ اسی دن کی یاد میں ہولی

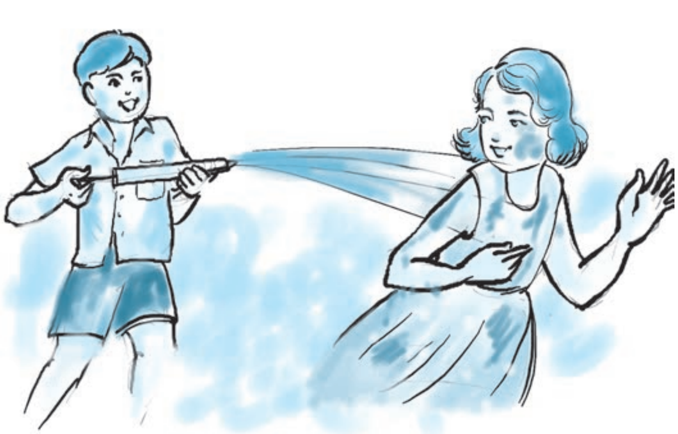

منائی جاتی ہے۔ ہولی سے پہلے لکڑیاں اکٹھّا کر کے ایک کھلی جگہ پر انبار کی شکل میں لگا دی جاتی ہیں۔ رات کو مہورت دیکھ کر ہولی جلائی جاتی ہے۔ اگلے دن رنگ کھیلا جاتا ہے۔ جو عام طور پر دوپہر تک چلتا ہے۔ ہولی کا تہوار خاص طور پر نوجوانوں اور بچّوں کے لیے آزادی اور خوشیاں لے کر آتا ہے۔ اس دن لوگ نفرت اور ناراضگی کو بھلا کر رنگ کھیلتے اور

آپس میں گلے ملتے ہیں۔

دیوالی ہندوؤں کا سب سے بڑا تہوار ہے۔ یہ تہوار کارتک کے مہینے میں یعنی اکتوبر نومبر میں پورے ملک میں نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ یہ خوش حالی، روشنی اور مسرتوں کا تہوار ہے۔ خوش حالی کی دیوی لکشمی کا استقبال کرنے کے لیے لوگ دیوالی سے پہلے گھروں کو صاف کرتے اور سجاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ دیوالی کا تہوار پہلی بار اس وقت منایا گیا تھا جب رام چندر جی لنکا کے راجہ راون کو ہرا کر اپنی راجدھانی اجودھیا میں داخل ہوئے تھے۔ شہر کے سبھی لوگوں نے چراغ جلا کر اپنے راجہ کا استقبال کیا تھا۔ یہ تہوار بدی پر نیکی کی فتح کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ آج بھی لوگ گھروں اور بازاروں میں بجلی کے بلب، رنگ برنگی موم بتّیاں اور مٹّی کے چراغ جلا کر روشنی کرتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں۔ سب سے زیادہ خوشی بچّوں کو ہوتی ہے۔ وہ نئے نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ طرح طرح کے پٹاخے، پھلجھڑیاں اور انار چھوڑتے ہیں۔ چراغوں کی جھلملاتی روشنی اور آتش بازی کے یہ ملے جلے پرکیف نظارے دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔

اونم پھولوں کا تہوار ہے۔ یہ جنوبی ہندوستان کی ریاست کیرالہ میں ساون بھادوں یعنی اگست یا ستمبر میں منایا جاتا ہے۔ اس دن وہاں کے باشندے راجہ مہابلی کے زمانے کے امن وسکون، خوش حالی اور آپسی محبّت کو یاد کر کے گیت

گاتے ہیں۔ اس موقعے پر عورتیں اور لڑکیاں گھروں کو صاف ستھرا کر کے خوش نما پھولوں سے سجاتی ہیں۔ راجہ مہابلی اور وشنو دونوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ پوجا کے بعد گھر کے بزرگ چھوٹوں اور دوستوں کو تحفے میں کپڑے دیتے ہیں۔ اونم کے موقعے پر کشتیوں کی دوڑ قابلِ دید ہوتی ہے۔ یہ تہوار دراصل سیکولر اور ملی جلی تہذیب کی عکّاسی کرتا ہے۔ دس

دنوں تک چلنے والا یہ تہوار ہر طرف امن اور خوش حالی کا سماں باندھ دیتا ہے۔

پونگل تمل ناڈو کا خاص تہوار ہے۔ یہ تمل مہینے ''تھائی''، یعنی جنوری فروری میں منایا جاتا ہے۔ تمل ناڈو اور کیرالہ میں اسے پونگل اور کرناٹک میں سنکرانتی کہتے ہیں۔ پونگل کا لفظی مطلب ہے ''چاول کی کھیر'' جو اس موقعے پر غریبوں کو کھلائی جاتی ہے۔ پونگل دراصل نئی فصل کے کٹنے سے پیدا ہونے والی خوشی، بےفکری اور مسرّت کے اظہار کا تہوار ہے۔ یہ تین دن تک منایا جاتا ہے۔ پہلا دن ''بھوگی پونگل'' کہلاتا ہے۔ اس دن گھروں کی صفائی کر کے بےکار اور پرانی چیزوں کو جلا دیا جاتا ہے۔ دوسرا دن ''سوریہ پونگل'' ہے۔ اس دن سورج کی عبادت کی جاتی ہے۔ تہوار کا تیسرا دن ''مٹّو پونگل'' ہے۔ یہ مویشیوں کی خدمت کا دن ہے۔ شام کو مندروں میں پوجا ہوتی ہے۔ بعد میں بیل گاڑیوں کی دوڑ ہوتی ہے۔ اس دن پتنگ بازی بھی ہوتی ہے اور شکار بھی کھیلا جاتا ہے۔

عید الفطر جسے میٹھی عید بھی کہتے ہیں مسلمانوں کا سب سے بڑا تہوار ہے۔ یہ رمضان کا مہینہ ختم ہونے کی خوشی

میں منایا جاتا ہے۔ جب رمضان کی آخری تاریخ کو نیا چاند دکھائی دیتا ہے تو اگلے دن بڑی دھوم دھام سے عید منائی جاتی ہے۔ عید کے دن نماز ادا کرنے سے پہلے ایک مقررہ رقم، جسے فِطرہ کہتے ہیں، غریبوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اسی

لیے اس عید کو عید الفِطر کہتے ہیں۔ عید کی صبح کو مسلمان نئے نئے کپڑے پہنتے ہیں اور عطر لگاتے ہیں۔ عید گاہ اور دوسری بڑی مسجدوں میں جا کر عید کی نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز کے بعد ایک دوسرے کو عید کی مبارک باد دیتے ہیں۔ اپنے رشتے داروں اور دوستوں کو سویّاں اور مٹھائی کھلاتے ہیں اور خود بھی اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ دن بھر بڑی چہل پہل رہتی ہے۔ بچّوں کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہتا۔ انھیں تو بس عیدی وصول کرنے میں ہی مزہ آتا ہے۔ عید کے دن غیر مسلم حضرات بھی اپنے مسلم بھائیوں کو عید کی مبارک باد دیتے ہیں اور اُن کی خوشی میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ عید کا تہوار پوری انسانیت کے لیے رحمتوں، آپسی میل جول اور خوشیوں کا خزانہ لٹاتا ہوا آتا ہے۔

عید الفطر کی طرح عیدالاضحیٰ بھی مسلمانوں کا ایک مقدّس تہوار ہے۔ یہ ذی الحجّہ کی دسویں تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ اسے بقر عید اور عید قرباں بھی کہتے ہیں۔ خدا نے پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دی کہ اگر تم مجھ سے سچّی

عقیدت رکھتے ہوتو میرے نام پر اپنے بیٹے کو قربان کردو۔ حضرت ابراہیمؑ فوراً حضرت اسمٰعیلؑ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے لے لیے تیار ہو گئے۔ گلے پر جیسے ہی چھُری پھیری کہ اللہ کے حکم سے حضرت اسمٰعیل کی جگہ ایک دنبہ آ گیا۔ اسی قربانی کی یاد میں بقرعید منائی جاتی ہے۔ عید کی طرح اس دن بھی مسلمان نئے نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ عید گاہ جاکر عید کی نماز پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ گھر واپس آ کر قربانی کرتے ہیں۔ غریبوں اور رشتے داروں میں قربانی کا گوشت تقسیم کرتے ہیں۔ اس روز ہر طرف خوشی کا سماں ہوتا ہے۔ ان ہی دنوں میں مکّہ معظّمہ میں حج ادا کیا جاتا ہے۔

25 دسمبر حضرت عیسیٰ کی ولادت کا دن ہے۔ عیسائی اسے کرسمس ڈے اور بڑا دن بھی کہتے ہیں۔ وہ اس دن کو بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ اس روز عیسائی گرجا گھروں اور اپنے گھروں میں روشنی کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

رات کو لوگ عیسیٰ مسیح کی عظمت اور عقیدت کے گیت گاتے ہیں۔ اس دن کلیساؤں میں خاص عبادت کی جاتی ہے۔ خوش حال لوگ غریبوں کو تحفے دیتے ہیں۔ جگہ جگہ کرسمس میلے لگتے ہیں، جس میں بچوں کے لیے کھانے پینے کی بہت سی چیزیں ملتی ہیں۔ اس دن گھروں میں کرسمس کا پیڑ بھی روشنیوں سے سجایا جاتا ہے۔ کرسمس کی خوشی، عقیدت مندوں کے اظہارِ عقیدت اور غریبوں کی مدد کا تہوار ہے۔

گرونانک جینتی سکھوں کا خاص تہوار ہے۔سکھ مذہب کے بانی گرونانک دیوکی پیدائش کے دن یہ تہوار منایا جاتا ہے۔اس دن گردواروں کوخوب سجایا جاتا ہے۔گروگرنتھ صاحب کا پاٹھ کیا جاتا ہے۔پربھات پھیریاں نکالی جاتی ہیں۔شام کو بہت بڑا جلوس نکالا جاتا ہے۔راستے میں جگہ جگہ شربت ، پھل اور کھانے کی چیزیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ سارے راستے گروگرنتھ صاحب کا پاٹھ ہوتا ہے۔

بیساکھی بھی سِکھوں کا نہایت مشہور ومعروف تہوار ہے۔ یہ 13 اپریل کو بیساکھ کے مہینے میں پنجاب میں منایا جاتا ہے۔ یہ مذہبی تہوار بھی ہے اور فصلی تہوار بھی۔ اسی دن سکھوں کے دسویں اور آخری گرو، گروگوبند سنگھ نے خالصہ

پنتھ قائم کیا تھا۔ یہی وقت فصل کٹنے کا بھی ہے۔ اس موقعے پر کسان بہت مطمئن ، خوش، اور بے فکر نظر آتے ہیں۔ بیساکھی کے دن ہر سِکھ کے لیے گردوارہ جانا لازمی ہوتا ہے۔ اس دن پنجاب میں جگہ جگہ میلے لگتے ہیں۔ نوجوان بھانگڑا ناچ کا مظاہرہ کرتے ہیں جو پوری دنیا میں مشہور ہے۔اس دن لڑکیاں فصل سے متعلق گیت گاتی ہیں۔

معنی یاد کیجیے

عقیدہ	:	ایمان، پکّا یقین
انبار	:	ڈھیر، ذخیرہ
مہورت	:	کسی کام کو شروع کرنے کا مبارک وقت
باشندہ	:	رہنے والا، بسنے والا
استقبال کرنا	:	خیر مقدم کرنا
پُر کیف	:	لطف اور سرور سے بھرا ہوا
سماں باندھنا	:	رنگ جمانا، لطف پیدا کرنا
مقررہ رقم	:	طے کی گئی رقم
مویشیوں	:	مویشی کی جمع، بھیڑ، بکری، گائے وغیرہ
ذی الحجّہ	:	اسلامی کلینڈر کا بارھواں مہینہ، چاند کا بارھواں مہینہ
عیدی	:	وہ رقم جو عید کے موقعے پر چھوٹوں کو دی جاتی ہے
اہتمام	:	انتظام، بندوبست
ولادت	:	پیدائش، جنم
بشارت	:	خوش خبری، اچھی خبر
عظمت	:	بڑائی
پربھات پھیریاں	:	کسی مقصد کے تحت صبح صبح جلوس بنا کر گھومنا
فصلی تہوار	:	وہ تہوار جو فصل کٹنے کے وقت منائے جاتے ہیں۔
خالصہ پنتھ	:	سکھ مذہب
معروف	:	مشہور، جانا پہچانا
مظاہرہ	:	دکھانا، ظاہر کرنا

قابلِ دید : دیکھنے کے قابل

لازمی : ضروری

سوچیے اور بتایئے

1. تہواروں سے ہمیں کیا پیغام ملتا ہے؟
2. ہولی کا تہوار کس واقعے کی یاد دلاتا ہے؟
3. دیوالی کیوں منائی جاتی ہے؟
4. اونم کا تہوار کس طرح مناتے ہیں؟
5. ''پونگل'' کے لفظی معنی کیا ہیں اور یہ کس علاقے کا تہوار ہے؟
6. عید کا تہوار کب اور کیوں منایا جاتا ہے؟
7. عید الاضحیٰ کا تہوار کس قربانی کی یاد دلاتا ہے؟
8. کرسمس ڈے کسے کہتے ہیں؟
9. گرونانک جینتی کیوں منائی جاتی ہے؟

بلند آواز سے پڑھیے

باشندے عظمت عقیدے مقررہ رقم پرکیف خوش حال

ذی الحجّہ قربان کر پیغام عید الفطر عید الاضحیٰ

نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے

ناراضگی استقبال قابلِ دید پیغام خوش حالی پرکیف

کالم 'الف' سے کالم 'ب' کو ملایئے

	(الف)	(ب)
1	دیوالی کا تہوار	لوگ نفرت اور ناراضگی کو بھلا کر رنگ کھیلتے ہیں اور آپس میں گلے ملتے ہیں۔
2	اونم کا تہوار	حضرت عیسیٰ مسیح کی عظمت اور عقیدت کے گیت گاتے ہیں۔
3	ہولی کے تہوار میں	سکھ مذہب کے بانی کی پیدائش کی یاد میں منائی جاتی ہے۔
4	کرسمس ڈے کے موقعے پر	بدی پر نیکی کی فتح کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔
5	بقرعید کا تہوار	سیکولر اور ملی جلی تہذیب کی عکاسی کرتا ہے۔
6	گرونانک جینتی	حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی یاد میں منایا جاتا ہے۔

ان لفظوں کے متضاد لکھیے

خوشی   فتح   رہائی   نیکی   نفرت   خوش حال   غریب

لکھیے

سبق میں لفظ ''خوش حال'' استعمال ہوا ہے جو دو لفظوں خوش اور حال سے مل کر بنا ہے اسی طرح ''خوش'' لگا کر پانچ نئے الفاظ بنایئے۔

غور کرنے کی بات

- سبق میں ''امن وسکون'' استعمال ہوا ہے۔ یہاں ''امن وسکون'' کے بیچ میں جو واؤ آیا ہے اس کے معنی اور کے ہیں۔ اس صورت میں ''وْ'' کو پہلے لفظ کے آخری حرف سے ملا کر بولا اور پڑھا جاتا ہے۔ جیسے ''امن وسکون'' کو امنوسکون پڑھا جائے گا۔ ایسے دوسرے الفاظ بھی ہیں جو اسی طرح پڑھے اور بولے جائیں گے جیسے لالہ وگل، شان وشوکت اور رسم ورواج وغیرہ۔

کابلی والا

میری پانچ برس کی بچّی، جس کا نام مُنّی ہے، گھڑی بھر کو خاموش نہیں رہتی۔ ایک دن صبح سویرے میں اپنے ناول کا سترہواں باب لکھ رہا تھا، مُنّی نے آ کر کہا:

''بابو جی! سُبودھ (میرا نوکر) کوّے کو کاگ کہتا ہے، وہ کچھ نہیں جانتا۔'' اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں اُس نے دوسری بات شروع کر دی: ''دیکھیے بابو جی بھولا کہتا ہے کہ آسمان میں ہاتھی اپنی سونڈوں سے پانی برساتے ہیں، بھولا ایسی ہی جھوٹی باتیں کرتا ہے۔''

میں نے ہنس کر مُنّی سے کہا: ''منّی تو بھولا کے ساتھ جا کر کھیل، مجھے اس وقت کام کرنا ہے۔''

میرا گھر سڑک کے کنارے ہے۔ ایک دن مُنّی میرے کمرے میں کھیل رہی تھی، اچانک وہ کھیل چھوڑ کر برآمدے میں دوڑ گئی اور زور زور سے ''کابلی والے او کابلی والے'' پکارنے لگی۔

کابلی والے کے کندھے پر میوے کا تھیلا اور ہاتھ میں انگوروں کی پٹاری تھی۔ موٹے موٹے کپڑے کا ڈھیلا ڈھالا کُرتا پہنے، صافہ باندھے، لمبے ڈیل ڈول کا ایک کابلی والا سڑک پر آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔

مُنّی کی آواز سُن کر، ہنس مُکھ کابلی والے نے گھوم کر دیکھا۔ مُنّی گھبرا گئی اور اُس کابلی والے کو پھاٹک میں اندر آتا دیکھ کر بھاگ گئی۔ اس لیے کہ مُنّی کی ماں کہا کرتی تھی کہ کابلی والے بچّوں کو تھیلے میں ڈال کر لے جاتے ہیں۔

میں نے مُنّی کا خوف دؤر کرنے کے لیے اُس کو اندر سے بُلایا۔ کابلی والا اپنی جھولی سے کِشمش نکال کر مُنّی کو دینے لگا۔ مُنّی کسی طرح لینے پر راضی نہ ہوئی، اُس کا شبہ اور بھی بڑھ گیا۔ وہ ڈر کر مجھ سے لپٹ گئی۔

کابلی والے سے میرا تعارف اس طرح ہوا۔

میں ایک روز کسی ضروری کام سے باہر جا رہا تھا، دروازے پر دیکھا کہ مُنّی اُس کابلی والے سے بڑے مزے سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ بادام اور کشمش لیے ہوئے تھی۔ میں نے کابلی والے سے کہا: ''یہ سب کیوں دیا؟ اب مت دینا۔'' یہ کہہ کر میں نے جیب سے اُٹھنّی نکال کر کابلی والے کو دی۔ اُس نے بلا جھجک اُٹھنّی لے کر جیب میں ڈال لی۔

جب میں کام سے لوٹ کر گھر آیا تو میں نے دیکھا کہ اُس اُٹھنّی کی وجہ سے گھر میں بڑا شور مچا ہوا ہے۔ مُنّی کی ماں اُس سے ڈانٹ کر پوچھ رہی تھی کہ تو نے اُس سے اُٹھنّی کیوں لی؟ مُنّی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس نے کہا: ''میں نے نہیں مانگی، وہ اپنے آپ دے گیا۔'' میں مُنّی کو لے کر باہر چلا گیا۔

معلوم ہوا کہ یہ کابلی والے کا دوسرا پھیرا نہیں تھا، وہ روز روز گھر آتا تھا۔ اور پستے بادام دے کر اُس نے مُنّی سے دوستی کر لی تھی۔

کابلی والے کا نام رحمت تھا۔ رحمت اور مُنّی کی عمر میں زمین آسمان کا فرق تھا، پھر بھی دونوں ایک دوسرے کے دوست ہو گئے۔ اُن دونوں میں کچھ بندھی ٹکی باتیں ہوتی تھیں۔

کابلی والا کہتا: ''مُنّی سسرال جاؤ گی؟'' مُنّی نہیں جانتی تھی کہ سُسرال کسے کہتے ہیں؟ لیکن بھلا وہ چُپ رہنے والی کہاں تھی۔ وہ اُلٹا کابلی والے سے پوچھتی: ''تم سُسرال جاؤ گے؟'' رحمت گھونسا تان کر کہتا: ''میں تو سُسرے کو ماروں گا۔'' یہ سُن کر مُنّی خوب ہنستی۔

ہر سال جب جاڑے کا موسم ختم ہونے لگتا، تو رحمت اپنے وطن جانے کی تیاری کرتا اور گھر گھر جا کر اپنا روپیہ وصول کرتا، مگر ایک بار مُنّی سے ملنے ضرور آتا۔

ایک دن میں اپنے کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا، اچانک گلی میں بڑا شور وغُل سنائی دیا۔ میں نے کھڑے ہو کر دیکھا رحمت کو دو سپاہی باندھے لیے جا رہے تھے، پیچھے سے لڑکوں اور راہ گیروں کا مجمع چلا آ رہا تھا۔ رحمت کے کُرتے پر خون کے دھبے تھے اور ایک سپاہی کے ہاتھ میں خون سے بھری چھُری تھی۔ میں بھاگا گیا اور سپاہیوں کو روک کر پوچھا: ''کیا بات ہے؟'' معلوم ہوا کہ پڑوس میں ایک چپراسی نے رحمت سے ایک چادر لی تھی اور اب وہ دام دینے سے انکار کرتا تھا، اس پر جھگڑا ہو گیا اور رحمت نے غصّے میں چپراسی پر چھُری سے حملہ کر دیا۔

رحمت اس بے ایمان چپراسی کو سیکڑوں گالیاں دے رہا تھا۔ اس بیچ میں ''کابلی والے او کابلی والے'' پکارتی ہوئی مُنّی بھی وہاں آ گئی۔

رحمت کا چہرہ دَم بھر کے لیے خوشی سے کِھل اُٹھا۔ مُنّی نے آتے ہی اُس سے پوچھا: ''تم سُسرال جاؤ گے؟''

رحمت نے ہنس کر کہا: ''ہاں وہیں جا رہا ہوں۔'' اُس نے دیکھا کہ اِس جواب سے مُنّی کو ہنسی آ گئی تب اُس نے گھونسا دکھا کر کہا: ''میں سُسرے کو مارتا تو ضرور، لیکن کیا کروں میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔''

کچھ دنوں کے بعد اِس جُرم میں رحمت کو سات سال کی سزا ہو گئی۔ اس واقعے کے بعد کئی دن گزر گئے، مُنّی کابلی والے کو بھول گئی۔

مُنّی بڑی ہو گئی اور پھر اُس کی شادی بھی طے ہو گئی۔ آخرکار شادی کی تاریخ آ پہنچی۔ مہمانوں سے گھر بھرا ہوا تھا۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ کام کر رہا تھا، اچانک اُس وقت رحمت وہاں آ گیا۔

پہلے تو میں اُس کو پہچان نہ سکا، اس کی ہنسی سے سمجھ گیا کہ یہ رحمت ہے، میں نے پوچھا: ''کیوں رحمت کب آئے؟''

''کل ہی شام کو جیل سے چھوٹا ہوں۔''

میں نے کہا: ''آج تو میں بہت مصروف ہوں، پھر کبھی آنا۔''

وہ اُداس ہو کر جانے لگا، لیکن پھر ہچکچاتے ہوئے بولا: ''بابو جی! مُنّی کہاں ہے؟''

میں نے کہا: ''آج گھر میں کام ہے، مُنّی سے بھی ملاقات نہ ہو گی۔'' وہ اُداس ہو گیا۔

''اچھا... بابو جی سلام۔'' کہہ کر جانے لگا۔

مجھے جیسے دھکّا سا لگا۔ جی چاہا کہ اُس کو بلا لوں۔ اتنے میں دیکھا کہ وہ خود ہی واپس آ رہا ہے۔ واپس آ کر اُس نے کہا: ''یہ کچھ کشمش بادام مُنّی کے لیے لایا تھا، اُس کو دے دیجیے۔''

میں نے اس کی قیمت ادا کرنی چاہی۔ تب اُس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: ''آپ کی مہربانی میں کبھی نہیں بھول

سکتا۔ مجھے قیمت نہ دیجیے، بابو جی! مُنّی جیسی میری بھی بیٹی ہے، اِسی لیے میں اُس کے لیے میوہ لاتا تھا۔ میں یہاں سودا بیچنے نہیں آتا۔''

اِتنا کہہ کر اُس نے کُرتے کے اندر سے ایک میلے کاغذ کی پُڑیا نکالی۔ بڑی احتیاط سے پُڑیا کھول کر میرے سامنے رکھ دی۔ اُس کاغذ پر ایک چھوٹے سے ہاتھ کا نشان تھا۔ اپنی بیٹی کی اِس نشانی کو چھاتی سے لگا کر رحمت اِتنی دور سے میوہ بیچنے کلکتہ آیا تھا۔

یہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، میں سب کچھ بھول گیا، بس یہ بات یاد رہ گئی کہ میں بھی باپ ہوں اور وہ بھی باپ ہے۔ میں نے اُسی وقت مُنّی کو اندر سے بلایا۔ مُنّی شادی کے کپڑے اور زیور پہنے ہوئے آئی، اور شرمائی شرمائی میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔

اُس کو دیکھ کر کابلی والا گھبرا سا گیا اور بات بھی نہ کر سکا۔ پھر اُس نے ہنس کر کہا :

''مُنّی ! تو سُسرال جا رہی ہے؟''

اب مُنّی سُسرال کے معنی سمجھنے لگی تھی، اس نے شرما کے سر جھکا لیا۔ رحمت کچھ سوچ کر زمین پر بیٹھ گیا، جیسے اُس کو یکا یک احساس ہوا کہ اُس کی لڑکی بھی اِتنے دنوں میں بڑی ہوگئی ہوگی۔ اِن آٹھ برسوں میں اُس کا کیا ہوا، کون جانے! وہ اُس کی یاد میں کھو گیا۔

رابندر ناتھ ٹیگور

معنی یاد کیجیے

باب	:	کتاب کا ایک مکمل حصّہ، دروازہ
صافہ	:	پگڑی
زمین آسمان کا فرق	:	بہت بڑا فرق
خوف	:	ڈر
مجمع	:	بھیڑ
شبہ	:	شک
مصروف	:	کام میں لگا ہوا
احتیاط	:	چوکسی
میوہ	:	سوکھے پھل جیسے پستہ، بادام، کِشمِش وغیرہ
پڑیا	:	کاغذ کا چھوٹا سا ٹکڑا جس میں کوئی چیز لپیٹی جائے
سودا	:	وہ سامان جو خریدا اور بیچا جائے
یکا یک	:	اچانک

سوچیے اور بتایئے

1. مُنّی کون تھی؟
2. مُنّی نے بابو جی سے سبودھ کی کیا شکایت کی؟
3. کابلی والے کا حلیہ کیسا تھا؟
4. کابلی والے کو دیکھ کر مُنّی کیوں گھبرا گئی؟
5. مُنّی کی ماں اُسے کس بات پر ڈانٹ رہی تھیں؟
6. وطن جانے سے پہلے کابلی والا گھر کیوں جاتا تھا؟
7. کابلی والے کو جیل کیوں بھیجا گیا؟
8. کابلی والا مُنّی کو اپنی جھولی سے کیا دیا کرتا تھا؟
9. کابلی والے کے پاس اپنی بیٹی کی کیا نشانی تھی؟
10. مُنّی کو دیکھ کر کابلی والے کو کیا یاد آیا؟

خالی جگہ کو صحیح لفظ سے بھریے

1. میں اپنے ناول کا ——— باب لکھ رہا تھا۔
2. کابلی والے سے میرا ——— اس طرح ہوا۔
3. کابلی والے کا نام ——— تھا۔
4. پیچھے سے لڑکوں اور راہ گیروں کا ——— چلا آرہا تھا۔
5. کابلی والا کہتا : ''مُنّی ——— جاؤ گی؟''
6. رحمت گھونسا تان کر کہتا، ''میں تو ——— کو ماروں گا۔''
7. رحمت گھر گھر جا کر اپنا روپیہ ——— کرتا۔

8. میں نے کہا: ''آج تو میں بہت ـــــــ ہوں۔

9. اُس کاغذ پر ایک چھوٹے سے ـــــــ کا نشان تھا۔

10. اس کو ـــــــ احساس ہوا کہ اس کی لڑکی بھی اِتنے دنوں میں بڑی ہوگئی ہوگی۔

نیچے دیے ہوئے لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے

صافہ ڈیل ڈول خوف مصروف احتیاط

ان لفظوں کے متضاد لکھیے

دوست پیچھے بے ایمان خوشی خوش نما الٹا انکار

نیچے لکھے ہوئے محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے

دام وصول کرنا لین دین کرنا وار خالی جانا حق مارنا مال دبا لینا۔

واحد سے جمع اور جمع سے واحد بنا کر لکھیے

باتیں آنسو راہ گیر لڑکی میوہ سپاہیوں چادر مہمانوں برسوں

نیچے دیے ہوئے جملوں کو کہانی کی ترتیب سے لکھیے

1. مُنّی کی ماں اُس سے ڈانٹ کر پوچھ رہی ہے کہ تو نے اُس سے اَٹھنّی کیوں لی؟

2. رحمت کا چہرہ دم بھر کے لیے خوشی سے کھل اٹھا۔

3. دروازے پر دیکھا کہ مُنّی اس کابلی والے سے بڑے مزے سے باتیں کر رہی تھی۔

4. مُنّی بڑی ہوگئی اور پھر اُس کی شادی بھی طے ہوگئی۔
5. میری پانچ برس کی بچی، جس کا نام مُنّی ہے، گھڑی بھر کو خاموش نہیں رہتی۔
6. اب مُنّی سسرال کے معنی سمجھنے لگی تھی، اس نے شرما کے سر جھکا لیا۔
7. یہ کچھ کشمش بادام مُنّی کے لیے لایا تھا، اس کو دے دیجیے۔

صحیح جملوں کے سامنے صحیح ☑ اور غلط کے سامنے غلط ☒ کا نشان لگائیے

1. میری چھ برس کی بچی، جس کا نام چُنّی ہے۔ ( )
2. سُبودھ نوکر کا نام ہے جو کوّے کو کاگ کہتا ہے۔ ( )
3. میرا گھر سڑک سے دور ہے۔ ( )
4. کابلی والا ہنس مکھ تھا۔ ( )
5. کابلی والے نے کہا: ''مُنّی سسرال جاؤ گی؟'' ( )
6. کابلی والا ہر سال جاڑے کے موسم میں آتا تھا۔ ( )
7. کابلی والے کا نام عظمت تھا۔ ( )

غور کرنے کی بات

- سبق میں ایک لفظ ''سسرے'' آیا ہے جس کے معنی سسر ہیں۔ لیکن یہ لفظ چھیڑ چھاڑ، ہنسی مذاق، پیار، اور طنز کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

او صبح کے ستارے

جلوہ دکھا رہا ہے   کرنیں لُٹا رہا ہے
کیا جی لبھا رہا ہے
او صبح کے ستارے

محفل تِری کہاں ہے؟   منزل تِری کہاں ہے؟
کس سمت جا رہا ہے؟
او صبح کے ستارے

سارے جہاں کے اوپر   اس آسماں کے اوپر
کیوں جھلملا رہا ہے
او صبح کے ستارے

کس کا خطر ہے تجھ کو ہاں کس کا ڈر ہے تجھ کو
کیا سورج آ رہا ہے؟
او صبح کے ستارے

دم بھر کا یہ سماں ہے تو اس کا میہماں ہے
کیوں مسکرا رہا ہے
او صبح کے ستارے

خاموش ہے زمانہ بے ہوش ہے زمانہ
لیکن تو گا رہا ہے
او صبح کے ستارے

چپ چاپ سو رہا ہوں نیندوں میں کھو رہا ہوں
کیوں گُدگُدا رہا ہے
او صبح کے ستارے

کیوں اتنا ڈر رہا ہے؟ کیوں منھ اتر رہا ہے؟
کیوں تھرتھرا رہا ہے؟
او صبح کے ستارے

آ میں گلے لگا لوں ساتھی تجھے بنالوں
تو دل لبھا رہا ہے
او صبح کے ستارے

اختر شیرانی

معنی یاد کیجیے

جلوہ	:	چمک، رونق، نظارہ
جی لبھانا (محاورہ)	:	اچھّا لگنا، جی کو بھانا
منزل	:	ٹھکانا، وہ جگہ جہاں مسافر پہنچنا چاہتا ہو
سمت	:	طرف
جھلملانا	:	جھل مل کرنا، رہ رہ کر چمکنا
خطر	:	ڈر، خطرہ
دم بھر	:	بہت تھوڑا وقت، ذرا دیر
سماں	:	منظر
منھ اترنا (محاورہ)	:	دکھی ہونا، اداس ہونا

سوچیے اور بتائیے

1. اس نظم میں شاعر کس سے بات کر رہا ہے؟
2. صبح کا ستارہ کس طرف جا رہا ہے اور اس کی منزل کہاں ہے؟
3. صبح کے ستارے کو کس بات کا ڈر ہے؟
4. سورج کے آنے کا کیا مطلب ہے؟
5. صبح کا ستارہ کیوں مسکرا رہا ہے؟
6. اس نظم میں زمانے کو خاموش اور بے ہوش کیوں کہا گیا ہے؟
7. صبح کے ستارے کے تھرتھرانے کی کیا وجہ ہے؟
8. شاعر صبح کے ستارے کو کیوں گلے لگانا چاہتا ہے؟

نیچے دیے ہوئے الفاظ اور محاوروں کو الگ الگ کیجیے اور انھیں جملوں میں استعمال کیجیے

جلوہ   جی لبھانا   منزل   سمت   جھلملانا   منھ اترنا

کیجیے

اس نظم کو بار بار بلند آواز سے پڑھیے اور یاد کیجیے۔

غور کرنے کی بات

- او صبح کے ستارے اس مصرع میں ''او'' حرفِ ندا ہے۔ حرفِ ندا اس لفظ کو کہتے ہیں جس سے کسی کو پکارا جائے۔ ''او'' کی طرح لفظ ''اے'' بھی حرفِ ندا ہے خیال رہے کہ ''او'' اور ''اے'' ہمیشہ اسم سے پہلے بولے جاتے ہیں۔
- صبح ہوتے ہی آسمان سے سارے ستارے غائب ہوجاتے ہیں۔ صرف ایک ستارہ چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس نظم میں شاعر نے بڑے دلکش انداز میں بیان کیا ہے کہ صبح کے ستارے کو دیکھ کر شاعر کے ذہن میں کیسے کیسے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔
- اس نظم میں لفظ ''میہماں'' آیا ہے۔ یہ لفظ مہمان کے لیے استعمال ہوا ہے اور دونوں طرح صحیح ہے۔

ہمارے ایک مشہور سائنس داں

1905ء میں جب برطانوی حکومت نے بنگال کو مشرقی اور مغربی دو حصوں میں بانٹا تو لوگ بلبلا اُٹھے۔ اسکول میں پڑھنے والے بارہ سال کے ایک لڑکے میگھ ناد ساہا کو جتنا غصّہ آیا اتنا شاید اور کسی کو نہیں آیا۔ بنگال کو ایک کرانے کی جدو جہد کرنے والے انقلابی نوجوانوں کے جو جتھے بن رہے تھے ان میں شامل ہونے کے لیے میگھ ناد کی عمر بہت کم تھی۔ اس لیے انھیں اپنے غم و غصّے کے اظہار کے لیے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا تھا۔ انھیں ایسا موقع اس وقت مل سکا جب یہ اعلان ہوا کہ بنگال کا ایک گورنر ان کا اسکول دیکھنے آ رہا ہے۔ اس سخت تاکید کے باوجود کہ گورنر کے استقبال کے لیے ہر بچّے کو موجود ہونا چاہیے، ساہا اور ان کے کچھ دوست اس دن اسکول نہیں آئے جس دن گورنر کو آنا تھا۔

اگلے دن ساہا اور ان کے دوستوں کے نام اسکول کے رجسٹر سے کاٹ دیے گئے۔ ساہا کو اپنے دوستوں سے زیادہ قیمت چکانی پڑی کیونکہ انھیں اس وظیفے سے بھی ہاتھ دھونا پڑا جو انھیں چند مہینے پہلے ملنا شروع ہوا تھا۔ ایک مشہور و معروف سائنس داں بن جانے کے بعد بھی وطن پرستی اور قربانی کا یہ جذبہ ان میں موجود رہا۔ وطن سے محبت نے انھیں قوم کا معمار بھی بنا دیا۔ انھوں نے آزاد ہندوستان میں نہ صرف سائنس کا مرتبہ اونچا کرنے کی کوشش کی بلکہ وہ غریبوں کی بھلائی کے لیے بھی کام کرتے رہے۔

ساہا 6 اکتوبر 1893ء کو سیوراتالی ضلع ڈھاکا میں پیدا ہوئے جو اب بنگلہ دیش میں ہے۔ ان کے والد کی ایک معمولی سی پرچون کی دکان تھی جس سے گھر کا خرچ مشکل سے نکلتا تھا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ ان کا پانچواں بچہ میگھ ناد بچپن سے ہی گھر کے لیے کچھ کمانا شروع کر دے۔ لیکن میگھ ناد کے استادوں نے اصرار کیا کہ وہ میگھ ناد کو تعلیم ضرور دلائیں کیونکہ وہ بہت ہونہار اور ذہین طالب علم تھے۔ آخر گاؤں سے گیارہ میل دور ایک بورڈنگ اسکول میں انھیں داخل کرا دیا گیا۔

کالج کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ساہا کلکتہ یونیورسٹی کے سائنس کالج میں فزکس کے لکچرر ہو گئے۔ یہاں انھوں نے فزکس کے موضوعات پر بہت سی کتابیں پڑھیں اور انھیں اچھی طرح پڑھایا بھی۔ پڑھانے کے لیے اپنے لیکچر نوٹس تیار کرتے ہوئے ان کے سامنے 'ایسٹروفزکس' کا ایک مسئلہ آیا۔ اسی مسئلے کو حل کرنے کی وجہ سے وہ دنیا بھر میں مشہور ہو گئے۔ ''ایسٹروفزکس'' ستاروں کی نوعیت، ان کی گرمی، ان کی اندرونی بناوٹ اور کن کن چیزوں سے مل کر وہ بنے ہیں وغیرہ کا مطالعہ کرتی ہے۔ ساہا کی عمر اس وقت مشکل سے 25 سال تھی۔ سائنسی دنیا نے ان کے کام کو بہت سراہا۔

ساہا ایک سماجی کارکن بھی تھے۔ انھوں نے خود بھی غریبی کے دن دیکھے تھے، اس لیے انھیں ملک کے غریب لوگوں کا ہمیشہ دھیان رہتا تھا۔ جب ملک تقسیم ہوا اور مشرقی بنگال سے لوگ بھاگ بھاگ کر اِدھر آنے لگے تو ان کو آباد کرانے میں ساہا نے بہت کام کیے۔ بچپن میں اپنے علاقے کے سیلاب زدہ لوگوں کو راحت پہنچانے کے کام میں شریک رہنا بھی انھیں ہمیشہ یاد رہا۔ انھوں نے غور کیا کہ سیلاب کیوں اور کیسے آتے ہیں اور ان پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے بہت سے دریاؤں کی وادیوں کے بارے میں انھوں نے کئی منصوبے تجویز کیے۔ 16 فروری 1956ء کو ان کا انتقال ہوا۔

معنی یاد کیجیے

برطانوی حکومت	:	انگریزی حکومت
بلبلا اٹھنا (محاورہ)	:	بہت زیادہ غصّے میں آجانا، شدید تکلیف محسوس کرنا
جتھے	:	جتّھا کی جمع، گروہ
اظہار	:	ظاہر کرنا
اختیار کرنا	:	اپنانا
گورنر	:	صوبے کا سب سے بڑا حاکم
تاکید	:	حکم، اصرار، بار بار کہنا

وظیفہ : اسکالرشپ، وہ رقم جو اچھے اور ذہین بچوں کو تعلیم کے لیے ملتی ہے۔

قیمت چکانا (محاورہ) : نقصان برداشت کرنا، بدلہ چکانا

ہاتھ دھونا (محاورہ) : کسی چیز سے محروم ہونا

وطن پرستی : اپنے وطن سے محبت کرنا

معمار : تعمیر کرنے والا، بنانے والا

پرچون کی دکان : عام ضرورت کی چیزوں کی دکان، پُھٹکر چیزوں کی دکان

ہونہار : عقل مند، ذہین

اصرار کرنا : کسی بات پر زور دینا

بورڈنگ اسکول : وہ اسکول جہاں بچوں کے رہنے اور کھانے کا انتظام ہو

موضوعات : موضوع کی جمع، مضمون

مسئلہ : پریشانی، الجھن

نوعیت : قسم

سراہا : پسند کیا، تعریف کی

سماجی کارکن : جو سماج کی بھلائی کے لیے کام کرے

تقسیم : بٹوارہ

سیلاب زدہ : سیلاب کا مارا ہوا

منصوبہ : پلان، خاکہ

سوچیے اور بتائیے

1. بنگال کو برطانوی حکومت نے کب اور کتنے حصّوں میں تقسیم کیا تھا؟

2. انگریز گورنر کی آمد پر میگھ ناد ساہا اور ان کے دوستوں نے اپنے غم و غصّے کا اظہار کس طرح کیا؟

3. میگھ ناد ساہا کا وظیفہ کیوں بند ہو گیا تھا؟
4. میگھ ناد ساہا کے والد انھیں کیوں نہیں پڑھانا چاہتے تھے؟
5. میگھ ناد ساہا کا نام دنیا بھر میں کس کام کی وجہ سے مشہور ہوا؟
6. میگھ ناد ساہا کے استادوں نے ان کی تعلیم کو جاری رکھنے کی کیا وجہ بتائی؟
7. تعلیم مکمل کرنے کے بعد میگھ ناد ساہا فزکس کے لکچرر کہاں مقرر ہوئے؟
8. ایسٹروفزکس میں کن چیزوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے؟
9. سائنس کے میدان میں کام کرنے کے علاوہ میگھ ناد ساہا نے اور کیا کیا اہم کام کیے؟

دیے ہوئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے

وطن پرستی ہونہار مسئلہ نوعیت موضوع منصوبہ

واحد سے جمع اور جمع سے واحد بنائیے

حکومت حصّوں مواقع دوست قیمتیں قربانی اقوام استادوں

ان لفظوں کے متضاد لکھیے

نوجوان دوست آزاد بھلائی محبت اندرونی گرمی

غور کرنے کی بات

- انقلاب کے لفظی معنی ہیں بہت بڑی تبدیلی یا کسی چیز کا پوری طرح بدل جانا۔ انقلابی وہ شخص کہلاتا ہے جو انقلاب لانے میں زور وشور کے ساتھ شریک ہو۔ اسی لیے ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کی جدوجہد میں جو لوگ پوری طاقت کے ساتھ شریک تھے۔ اور ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے، انھیں انقلابی کہا جاتا ہے۔

ہوائی قلعے

1

[منشی جی کی بیوی چولہا پھونک رہی تھی]

بیوی: گیلی لکڑیاں اُٹھا کر دے دیں۔ جیسے خیرات ہی میں تو دی ہیں۔

[دروازہ کھلتا ہے اور منشی جی آتے ہیں]

منشی جی: ارے بھئی کہاں گئیں؟ لاحول ولا قوۃ! وہی ہانڈی چولہا۔ چھوڑو بھی اسے، میں پوچھتا ہوں، کوئی تار تو نہیں آیا؟

بیوی : تار ——— کیسا تار؟

منشی جی: یعنی معلوم بھی ہے، آج سات تاریخ ہے آج ہی تو تار آئے گا اس لاٹری کا۔ وہ ٹکٹ بھی رکھ لیا ہے سنبھال کے؟ پہلے تو وہ مجھے نکال کر دے دو۔

بیوی : ٹکٹ نکالے دیتی ہوں۔ مگر ہانڈی میں دیر ہو جائے گی اور نسیم اسکول سے آ کر میرا سر کھائے گا۔

منشی جی: جاؤ جاؤ تم ٹکٹ نکالو۔

[دروازے پر دستک ہوتی ہے]

منشی جی: کون ہے بھئی؟

سلیم : میں ہوں سلیم!

منشی جی: تو آ جاؤ نا، تم سے چھُپتا کون ہے؟

سلیم : آداب عرض!

منشی جی: جیتے رہو، کہو خیریت ہے؟ وطن اور بچے سب اچھّے ہیں؟

سلیم: جی ہاں، سب اچھے ہیں۔ بیوی کو نزلہ ہے، بڑا بچہ بخار میں مبتلا ہے اور چھوٹے کے چیچک نکل آئی ہے۔

منشی جی: (بات کاٹ کر) خیر، خیر بہر حال خیریت ہے۔ راستہ میں تار گھر کا کوئی آدمی تو لال بائیسکل پر نظر نہیں آیا؟

سلیم: نہیں تو، کیوں خیریت تو ہے؟

منشی جی: ایک تار کا انتظار ہے۔ میاں یہ تم نے زرد باغ کے چوراہے کے قریب لال رنگ کی دومنزلہ کوٹھی دیکھی ہے جس کے سامنے ذرا باغ وغیرہ لگا ہوا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ چمن۔

سلیم: جی ہاں، وہ کوٹھی جو آج کل بِک رہی ہے۔

منشی جی: ہاں اور کیا، میرا خیال ہے۔ لے لوں، پڑی رہے گی۔

(بیوی آتی ہے)

سلیم: آداب عرض بھابی۔

بیوی: جیتے رہو، اچھے تو ہو، (منشی جی سے) لو یہ ٹکٹ سنبھالو۔

منشی جی: ہاں یہی ہے۔ تو میاں سلیم ویسے تو بری نہیں ہے۔ وہ اس کے چالیس ہزار مانگتے ہیں اور خیال ہے کہ پینتیس تک دے دیں گے۔

بیوی: کیا چیز؟

منشی جی: بھئی آج ایک کوٹھی دیکھی ہے۔ اچھی خاصی ہے۔ بجائے اس کے کہ زمین خریدی جائے پھر اس پر عمارت بنے چمن لگایا جائے اور اس قسم کے بہت سے دردِ سر مول لیے جائیں، میرے خیال میں تو اگر یہ کوٹھی مل جائے تو سب سے اچھا۔ ابھی نئی ہے۔ شاید دس برس کی ہو۔

بیوی: تو کون لے رہا ہے وہ کوٹھی؟

منشی جی: پھر وہی، ارے صاحب! میرا ہی ارادہ ہے اور کون لیتا، اور میاں سلیم موٹر رکھنے کی جگہ ہے۔
بیوی: (بات کاٹ کر) مجھے یہ شیخ چلّیوں کی سی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔
منشی جی: شیخ چلّیوں کی سی باتیں؟ تم بیوقوف ہو جب اس کوٹھی میں جا کر بیٹھو گی رانی بن کر تو اُس وقت پوچھوں گا مزاج شریف؟
سلیم: آخر معلوم تو ہو کہ قصّہ کیا ہے یعنی کیا آپ واقعی خرید رہے ہیں کوٹھی؟
بیوی: سلیم، ذرا ان سے پہلے یہ پوچھو کہ روپیہ کہاں ہے؟
منشی جی: تم پھر وہی، ارے روپیہ کی کیا بات ہے یہاں، مگر میں پوچھتا ہوں کہ اگر اس وقت ایک دم سے چھپّر پھٹ جائے تو آخر کیا ہوگا؟ ہم تو اپنا انتظام پہلے سے کر رکھیں۔
سلیم: آخر یہ معمّا کیا ہے؟ میں تو خود حیران ہوں۔
بیوی: اچھا تم خیالی پلاؤ پکاتے جاؤ۔ مگر میں تو ہانڈی دیکھوں۔
منشی جی: جاؤ میرا کیا ہے۔ مگر بعد میں تم ہی کہو گی کہ کسی صلاح مشورہ میں شریک نہیں کیا۔ میں تو کہتا تھا کہ تم بھی چل کر کوٹھی دیکھ لیتیں۔ مگر خیر اب کل پرسوں تک موٹر میں چل کر دیکھ لینا۔
بیوی: موٹر پر نہیں۔ ہوائی جہاز پر۔
منشی جی: کیا معنی؟ یعنی تم غلط سمجھتی ہو۔ آخر میں کیا گھاس کھا گیا ہوں جو موٹر کمپنیوں کی فہرست بٹورتا پھروں۔ میاں سلیم میرے نزدیک تو موٹر کی خوبی یہ ہے کہ تیل کم خرچ ہو اور اس کا ہر پُرزہ آسانی سے مل سکے۔ مگر میں نے طے کیا ہے کہ میں ایک چھوٹی سی گاڑی رکھوں گا۔ روزمرّہ کے لیے اور ایک ذرا قیمتی اور بڑی بھی ہونی چاہیے۔
سلیم: یعنی یہ سچ مچ کی سڑکوں پر چلنے والی موٹر؟
منشی جی: بھئی عجیب احمق ہو تم بھی۔ اور نہیں تو کیا کوک دار بچوں کا کھلونا؟
سلیم: مگر میری عقل حیران ہے کہ آج یہاں یہ کیسی باتیں ہو رہی ہیں۔ آخر قصّہ کیا ہے کچھ معلوم بھی تو ہو؟
بیوی: تمھارے بھیّا کہیں ڈاکہ ڈالنے والے ہیں شاید۔
منشی جی: پھر وہی۔ ارے صاحب میں پوچھتا ہوں کہ یہ کیا ناممکن ہے؟

سلیم : مگر آج آپ کو یہ خیال کیسے آیا۔ بیٹھے بٹھائے آخر یہ بڑے آدمیوں کی سی باتیں بلا وجہ تو نہیں ہو سکتیں۔

منشی جی: بھئی بات یہ ہے کہ اب کی بار میں نے بھی لاٹری کا ٹکٹ لیا ہے۔

سلیم : لاٹری کا ٹکٹ .... (قہقہہ لگاتا ہے)

منشی جی: یعنی تم بھی ہنس رہے ہو خدا کرے ابھی تھوڑی دیر میں مجھ کو تم دیور بھابی پر ہنسنا پڑے۔ یعنی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس میں ہنسنے اور مذاق کرنے کی کون سی بات ہے۔

سلیم : بھائی صاحب ہنسنے کی وجہ یہ ہے کہ سب کچھ ہوائی منصوبے ہیں گویا۔

منشی جی: میاں دنیا اُمید پر قائم ہے۔ تم چلے ہو وہاں سے ہوائی منصوبے لے کر اور جو اسی بہانے سے میری قسمت میں دولت لکھی ہو تو؟

سلیم : بھائی صاحب خدا کرے اب کے آپ کو ہی انعام ملے۔ مگر لاٹری کے انعام کی اُمید پر اس طرح کا انتظام کرتے ہوئے میں نے آپ کو ہی دیکھا ہے۔

منشی جی: انتظام، تو آخر میں نے کون سا انتظام کیا ہے، یہی نا کہ کوٹھی اپنی نظر میں ہے اور موٹر کے لیے فیصلہ کر لیا ہے۔ تاکہ عین وقت پر کم سے کم یہ نہ ہو کہ کوٹھی کی جگہ جلدی میں زمین خرید لی جائے اور موٹر کی جگہ پانی چھڑکنے کی گاڑی۔

2

سلیم : خدا کرے انعام مل جائے۔ سبھی کے دن پھر جائیں گے........

منشی جی: (بات کاٹ کر) دن پھر جائیں گے؟ یقین جانو کہ میں تو تمھاری طرف سے استعفیٰ لکھ چکا ہوں۔ یہ دیکھو بستے میں (بستہ ٹٹولتا ہے) میرا اور تمھارا استعفیٰ لکھا رکھا ہے۔ دیکھو یہ رہا۔

سلیم : آپ کا استعفیٰ تو ٹھیک ہے۔ مگر میرا؟

منشی جی: (بات کاٹ کر) کیا خوب۔ یعنی اب دنیا کو مجھ پر ہنسواؤ گے بھی کہ لکھ پتی کا بھائی چالیس روپلّی کی نوکری کرے۔ تم جائداد کا کام دیکھنا۔ دو گاؤں اور ایک باغ پہلے سے تجویز کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور جائداد بھی تو آخر خریدی جائے گی۔

سلیم : تو بھابی کو بلا لیجیے نا۔ ان کو تو شاید کسی بات کی خبر نہیں۔

منشی جی: (آواز دے کر) ارے صاحب، میں نے کہا سنتی ہو۔

بیوی : ہاں ہاں سُن رہی ہوں۔ نسیم کو کھانا کھلا رہی تھی (قریب آ کر) کہو کیا کہتے ہو۔ وہی موئی رَٹیں اُڑ رہی ہوں گی۔

منشی جی: دیکھا میاں سلیم تم نے۔ اسی لیے نہیں بلاتا تھا۔

سلیم : بھابی بیٹھ جایئے نا۔ بھائی جان نے تو دو گاؤں اور باغ بھی تجویز کر رکھا ہے اور ہم دونوں کے استعفیٰ تیار ہیں۔

بیوی : تو پھر ان کے پاس تار آ چکا ہوگا۔ یہ بن رہے ہیں۔

سلیم : تار آ چکا ہوتا تو میں اس کباڑ خانے میں اس طرح بیٹھا ہوتا۔ لاحول ولاقوۃ۔ ہر چیز عجیب ہے اس گھر کی۔ یہ گھڑونچی ملاحظہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ پُرانی وضع کا ہل رکھا ہوا ہے۔ یہ چارپائیاں ہیں جن پر ہم لوگ سوتے ہیں۔ میں تو باغ کے مالی کے لیے بھی اس قسم کی چارپائیاں مناسب نہیں سمجھتا۔ یہ دیکھیے میاں سلیم! یہ بیگم صاحبہ کے کپڑے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے گھوسن۔

بیوی : اے خوب یاد دلایا۔ وہ گھوسن موئی میری ناک میں دم کیے ہوئے ہے۔ کہہ گئی ہے کہ جب تک پچھلے مہینے کا حساب پورا نہیں ہو جائے گا۔ ایک قطرہ بھی دودھ کا نہ دے گی۔

منشی جی: (ذرا ہنس کر) یہی سب تقاضا کرنے والے کل اس بات پر فخر کریں گے کہ ایک لکھ پتی بھی ان کا مقروض تھا۔

بیوی : تو اب تم ہی ان کو آکر سمجھانا۔ روز آکر میرا دماغ خالی کرتے ہیں۔

(کُنڈی کھڑکھڑانے کی آواز۔ تار والا آواز دیتا ہے)

تار والا: تار لے جایئے۔

منشی جی: (گڑبڑا کر) تار ـــــــ سنتی ہو تار ـــــــ میاں سلیم تار ـــــــ (دوڑ کر باہر جاتے ہیں)

سلیم : یہ تو واقعی تار ہے ـــــــ تار ـــــــ یعنی ـــــــ واقعی تار

بیوی : واہ رے تیری شان تو نے دن پلٹ دیے۔

منشی جی: (ڈرتے ہوئے آتے ہیں) بھئی ایک روپیہ ہے۔ مگر تمھارے پاس کہاں۔ میاں سلیم ایک روپیہ ہو تو تار والے کو دے دو۔

بیوی : اے دیکھو انعام کتنا نکلا ہے۔ بسم اللہ کہہ کر کھولنا تار۔ واہ رے تیری شان!

منشی جی: بھئی تمھارے ہاتھ مبارک ہیں۔ تم ہی کھولو۔ میرے تو ہاتھ اس وقت کانپ رہے ہیں۔ دستخط کرنے کی جگہ لکھ گیا تھا لکھ پتی۔

سلیم : کیا کہا؟ لکھ پتی لکھ گئے تھے۔ تو بھائی صاحب غلط ہی کیا لکھا؟

منشی جی: ارے بھئی تو اسے کھولو نا۔ جلدی۔

بیوی : اے تو تم خود ہی کیوں نہیں کھول لیتے۔

منشی جی: نہیں تم کھولو۔ بسم اللہ کر کے۔ مجھے تو کچھ اختلاج سا ہو رہا ہے۔

بیوی : لو پڑھو۔

منشی جی: لینا سلیم میاں، دیکھوں رقم کتنی ہے۔ کدھر گیا میرا چشمہ۔

سلیم : ارے!

منشی جی: کیوں، کیا بات ہے؟

سلیم : محمود بھائی کا تار ہے۔ بھابی جان کل شام کی ٹرین سے آ رہی ہیں۔

منشی جی: لوگو، اب میں اپنے دل کو کیسے سنبھالوں۔ ارے مجھے پکڑو۔ (گر پڑتا ہے)

شوکت تھانوی

معنی یاد کیجیے

دستک	:	دروازہ کھٹکھٹانا
شیخ چلّی	:	ایک فرضی کردار جس کی حماقتوں کے قصّے مشہور ہیں، خیالی پلاؤ پکانے والا
معمّا	:	پہیلی، الجھی ہوئی بات
کوک دار کھلونا	:	چابی سے چلنے والا کھلونا
منصوبہ	:	تدبیر، ارادہ، مقصد

عین وقت پر	:	ٹھیک وقت پر
استعفیٰ	:	نوکری چھوڑنے کی درخواست
تجویز	:	رائے، صلاح
گھڑونچی	:	لکڑی کا وہ چوکھٹا جس پر پانی کے گھڑے رکھتے ہیں
وضع	:	شکل صورت، حلیہ، طور طریقہ
مقروض	:	قرض دار
اختلاج ہونا	:	دل تیزی سے دھڑکنا، دل گھبرانا

سوچیے اور بتائیے

1. منشی جی تار کے انتظار میں کیوں بے چین تھے؟
2. منشی جی کو سات تاریخ کا انتظار کیوں تھا؟
3. منشی جی نے لاٹری کا ٹکٹ خرید کر کیا کیا منصوبے بنا رکھے تھے؟
4. منشی جی کی بیوی ان کا مذاق کیوں اُڑا رہی تھیں؟
5. تار کی خبر سن کر منشی جی پر کیا اثر ہوا؟
6. منشی جی تار کیوں نہیں کھولنا چاہتے تھے؟
7. منشی جی نے دستخط کرنے کی جگہ کیا لکھ دیا تھا؟
8. تار کس کا تھا اور اس میں کیا لکھا تھا؟
9. اس ڈرامے میں سب سے دل چسپ کردار کون سا ہے اور کیوں؟

خالی جگہ کو صحیح لفظ سے بھریے

1. یعنی معلوم بھی ہے، آج ——— تاریخ ہے۔ آج ہی تو تار آئے گا اس لاٹری کا۔
2. راستہ میں تار گھر کا کوئی آدمی تو لال ——— پر نظر نہیں آیا؟
3. اچھا تم ———پکاتے جاؤ۔ مگر میں تو ہانڈی دیکھوں۔
4. بیٹھے بٹھائے آخر یہ ——— آدمیوں کی سی بڑی باتیں بلا وجہ تو نہیں ہو سکتیں۔
5. میں تو باغ کے مالی کے لیے بھی اس قسم کی ———مناسب نہیں سمجھتا۔
6. نہیں تم کھولو۔ بسم اللہ کر کے۔ مجھے تو کچھ ——— سا ہو رہا ہے۔

غور کیجیے اور لکھیے

ہر زبان میں الفاظ کے کچھ ایسے مجموعے ہوتے ہیں جنھیں لفظی معنی کے بجائے دوسرے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے جن میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ انھیں محاورہ کہتے ہیں۔

محاورہ		معنی
خیالی پلاؤ پکانا	:	ایسی باتیں سوچنا جو ممکن نہ ہو
زٹیں اڑنا	:	شیخی بگھارنا
ناک میں دم کرنا	:	بہت پریشان کرنا
سر کھانا	:	بحث کرنا

اوپر دیے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے

لکھیے

○ ڈرامے کی کہانی مختصر طور پر اپنی زبان میں لکھیے

عملی کام

- اس ڈرامے کو اپنے استاد کی مدد سے اسکول میں اسٹیج کیجیے۔

غور کرنے کی بات

- ڈرامے میں کام کرنے والوں کو ''کردار'' کہتے ہیں۔ اور دو کرداروں کے درمیان ہونے والی بات چیت کو ''مکالمہ'' کہتے ہیں۔

پیامِ عمل

گر قوم کی خدمت کرتا ہے　　احسان تو کس پر دھرتا ہے
کیوں غیروں کا دَم بھرتا ہے　　کیوں خوف کے مارے مرتا ہے
اُٹھ باندھ کمر، کیا ڈرتا ہے!
پھر دیکھ، خدا کیا کرتا ہے!

جو عمریں مُفت گنوائے گا　　وہ آخر کو پچھتائے گا
کچھ بیٹھے ہاتھ نہ آئے گا　　جو ڈھونڈے گا، وہ پائے گا
تو کب تک دیر لگائے گا　　یہ وقت بھی آخر جائے گا
اُٹھ باندھ کمر، کیا ڈرتا ہے!
پھر دیکھ، خدا کیا کرتا ہے!

جو موقع پاکر کھوئے گا وہ اشکوں سے منھ دھوئے گا
جو سوئے گا، وہ روئے گا اور کاٹے گا جو بوئے گا
تو غافل کب تک سوئے گا جو ہونا ہوگا، ہوئے گا

اُٹھ باندھ کمر، کیا ڈرتا ہے!
پھر دیکھ، خدا کیا کرتا ہے!

یہ دنیا آخر فانی ہے اور جان بھی اک دن جانی ہے
پھر تجھ کو کیوں حیرانی ہے کر ڈال جو دل میں ٹھانی ہے
جب ہمّت کی جَولانی ہے تو پتھر بھی پھر پانی ہے

اُٹھ باندھ کمر، کیا ڈرتا ہے!
پھر دیکھ، خدا کیا کرتا ہے!

محمد فاروق دیوانہ

معنی یاد کیجیے

غافل : بے خبر، غفلت کرنے والا
فانی : ختم ہونے والا، جسے فنا ہو جانا ہو
جولانی : جوش، طبیعت کی روانی، ہمّت
خوف : ڈر

سوچیے اور بتائیے

1. قوم کی خدمت کس جذبے سے کرنی چاہیے؟
2. وقت برباد کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے؟
3. نظم کے تیسرے بند میں شاعر نے کیا کہا ہے؟
4. وقت پر کام نہ کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے؟
5. ہمت کی جولانی سے شاعر کا کیا مطلب ہے؟
6. پتھر کے پانی ہونے سے کیا مراد ہے؟

لکھیے

''اشکوں سے منھ دھونا'' محاورہ ہے اس کے معنی رونا اور آنسو بہانا ہیں۔ نیچے کچھ محاورے اور ان کے معنی دیے گئے ہیں ان محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

محاورہ		معنی
احسان دھرنا	:	کسی کی مدد کر کے اسے جتانا
دم بھرنا	:	کسی کو بہت زیادہ یاد کرنا، کسی ہر وقت تعریف کرتے رہنا
کمر باندھنا	:	تیار ہونا
ہاتھ نہ آنا	:	حاصل نہ ہونا، نہ ملنا
پتھر پانی ہونا	:	بہت مشکل کام کا آسان ہو جانا

غور کرنے کی بات

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

- آپ نے دیکھا کہ یہ شعر نظم میں بار بار آیا ہے۔ اگر کسی نظم میں اسی طرح کوئی مصرعہ یا شعر بار بار آئے تو ایسی نظم کو ''ترجیع بند'' کہتے ہیں۔

آخری قدم

آؤ، آج تمھیں ایک بہت اچھّے آدمی کا حال سنائیں جسے اس کے جیتے جی بُہتیرے لوگ بُرا بُرا کہتے تھے اور مرنے کے بعد بھی اُس کی نیکی کا حال بس وہی جانتے ہیں جن کے ساتھ اس نے بھلائی کی تھی۔ اور شاید بعضے تو ان میں سے بھی بھول گئے ہوں گے۔

اس نیک آدمی کے پاس بڑی دولت تھی مگر یہ ان لوگوں میں تھا جو اپنے دھن دولت کو اپنا نہیں سمجھتے بلکہ اللہ میاں کی امانت جانتے ہیں، جو بس اس لیے ان کے سپرد کی جاتی ہے کہ اسے اس کے بندوں پر صَرف کریں۔ خود ان کی اُجرت یہ ہے کہ اس میں سے یہ بھی بس موٹا جھوٹا پہن لیں اور دال دلیا کھا کر گزر کر لیں۔

ہاں، تو یہ نیک آدمی بھی اپنی دولت سے خود بہت کم فائدہ اُٹھاتا تھا۔ ایک صاف سے مگر بہت چھوٹے مکان میں رہتا تھا۔ گزی گاڑھے کے بہت معمولی کپڑے پہنتا تھا۔ اور کھانے کا کیا بتاؤں، کبھی چنے چاب لیے، کبھی مکّا کی کھیلیں کھالیں۔ ایک وقت ہنڈیا چڑھی تو تین وقت کے کھانے کا انتظام ہو گیا۔ دوست احباب جنھیں اس کے حال کی خبر تھی طرح طرح سے اسے کھیل تماشوں میں، رنگ رلیوں میں، گھسیٹنا چاہتے تھے۔ مگر یہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ بہانا کر کے ٹال دیتا تھا۔ آخر کو سب سے بڑا کنجوس مشہور ہو گیا۔ اس کے دوست اسے ''میاں مکّھی چوس'' کہا کرتے تھے۔ بعض دوست اس کی دولت کی وجہ سے جلتے تھے۔ وہ اسے اور بھی چھیڑتے اور بدنام کرتے تھے۔ مگر یہ دُھن کا پکّا تھا۔ برابر چھُپ چھُپ کر چُپ چُپاتے اپنی دولت سے کسی نہ کسی مستحق کی مدد کرتا ہی رہتا تھا، اور اس طرح کہ سیدھے ہاتھ سے دیتا تو اُلٹے ہاتھ کو خبر نہ ہوتی اور زبان پر ذکر آنے کا تو ذکر ہی کیا۔

نہ جانے کتنی بیوائیں اس کے روپے سے پلتی تھیں! کتنے یتیم اس کی مدد سے پڑھ پڑھ کر اچھّے اچھّے کاموں سے لگ گئے تھے۔ کتنے مدرسے اس کی سخاوت سے چل رہے تھے۔ کتنے قومی کام کرنے والوں کو اس نے روٹی کپڑے سے بے فکر کر دیا تھا اور وہ یک سوئی سے اپنی اپنی دُھن میں لگے ہوئے تھے۔ کئی شفا خانوں میں دوا کا سارا خرچ اس نے اپنے سر لے لیا تھا اور ہزاروں دُکھی بیماروں کو بے جانے اس کے روپے سے روز آرام پہنچتا تھا۔ لیکن یہ مشہور تھا

وہی ''کنجوس، مکّھی چوس، دنیا کا کُتّا، نہ اپنے کام آئے نہ کسی اور کے۔'' کوئی اس پر ہنستا تھا، کوئی خفا ہوتا تھا سب اسے بُرا سمجھتے تھے!

آدمی کتنا ہی نیک ہو، دوسروں کے ہر دم بُرا کہنے سے، جی دُکھتا ہی ہے۔ اس کے دل کو بھی کبھی کبھی بڑی ٹھیس لگتی تھی، جھنجھلاتا تھا، آنکھوں میں آنسو بھر بھر آتے تھے، مگر پھر صبر کر لیتا تھا۔

اس کے پاس ایک خوب صورت سی کتاب تھی، چکنا چکنا موٹا کاغذ، نیلے کپڑے کی سُبک سی جِلد۔ پُشتے پر سُنہرے حرفوں میں لکھا ہوا ''حسابِ امانت''۔ اس کتاب میں یہ اپنا پیسے پیسے کا حساب لکھا کرتا تھا۔ جس کو بھی کچھ دیا تھا سب اس میں درج تھا۔ کہیں کہیں کیفیت کے خانے میں بڑی دل چسپ باتیں لکھی گئی تھیں۔ کسی یتیم کو پڑھنے کے لیے وظیفہ

دیا ہے۔ 15 سال بعد تاریخ دے کر کیفیت کے خانے میں درج ہے ''اب احمد آباد میں ڈاکٹر ہیں اور وہاں کے یتیم خانے کے ناظم۔'' کتابوں کے ایک کاروبار کو سخت پریشانی کے زمانے میں دو ہزار روپے دیے ہیں۔ کئی سال بعد کیفیت کے خانے میں لکھا ہے۔ '' آج خط آیا ہے کہ انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت پاک نہایت صاف اور سادہ زبان میں لکھوا کر ایک لاکھ نسخے طلبہ میں مُفت تقسیم کیے ہیں۔ خدا جزائے خیر دے۔'' دلّی کے ایک مدرسے کو ایسے وقت کہ اس کا کوئی مددگار نہ تھا دس ہزار روپے دیے تھے۔ اندراج رقم کے سامنے کیفیت میں لکھا تھا۔ '' سالانہ رپورٹ پڑھی۔ ہر صوبے میں اس کی ایک ایک شاخ قائم ہوگئی ہے۔ اس صوبے میں تو گاؤں میں تعلیمی مرکز قائم کر دیے ہیں۔ یہ کام نہ ہوتا تو اس ملک میں مسلمانوں کی تمدّنی

ہستی کبھی کی ختم ہو چکی تھی۔'' اسی قسم کے بے شمار اندراجات تھے۔

اس کتاب کو یہ اکثر اُٹھا کر پڑھنے لگتا تھا۔ خصوصاً جب کسی نادان دوست کی زبان سے دل دُکھتا تو ضرور اس کتاب کی ورق گردانی کی جاتی تھی۔ اسے دیکھ کر کبھی کبھی مسکراتا بھی تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ مرتے وقت یہ کتاب ان لوگوں کے لیے چھوڑ جاؤں گا جو عمر بھر مجھے پہچانے بغیر میرا دل دُکھاتے رہے۔ اس ارادے سے اسے بڑی تسکین ہوتی تھی۔ سو سُنار کی ایک لوہار کی۔ انھوں نے ہزار دفعہ میرا جی خون کیا ہے۔ میں ایک دفعہ انھیں ایسا شرماؤں گا کہ بس سر نہ اُٹھے گا۔ یہ سوچتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ ہوتے ہوتے بڑھاپا آن پہنچا۔ بدن جواب دینے لگا۔ روز کوئی نہ کوئی بیماری کھڑی ہے۔ ایک دفعہ دسمبر کا مہینہ تھا۔ سخت بیمار ہوا۔ بخار اور کھانسی۔ ایک دن، دو دن، تیسرے دن سینے میں سخت درد شروع ہوا۔ کوئی دو پہر غفلت رہی۔ ہوش آیا تو سانس لینے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ نمونیا کا حملہ تھا اور سخت حملہ۔ شام سے حالت غیر ہونے لگی۔ بار بار غفلت ہو جاتی۔ تھوڑی دیر کو ہوش آتا، پھر غفلت۔ کوئی چار بجے کے قریب ہوش آیا تو اس کی سمجھ میں آ گیا کہ اب وہ وقت آن پہنچا ہے جو سب کے لیے آتا ہے اور جس سے کوئی بھاگ کر بچ نہیں سکتا۔

چارپائی کے پاس ہی میز پر وہ نیلی خوب صورت کتاب ''حسابِ امانت'' رکھی تھی جسے ابھی بیماری میں بھی دو دن پہلے اُٹھا کر پڑھا تھا۔ چند لمحے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ایسے کہ تھمتے ہی نہ تھے۔ کتاب کی طرف ہاتھ بڑھا کر اُسے اُٹھانا چاہا۔ کئی مرتبہ کی کوشش میں اسے مشکل سے اُٹھا پایا۔ پھر کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ یہ عظیم الشان گھڑی اور یہ چھوٹا خیال........... اُن کو شرما کر تجھے کیا ملے گا............ تو اپنا کام کر

چلا........... اپنے کام سے کام........... منزل آ پہنچی............ آخری قدم کیوں ڈگمگائے؟.........''
دونوں ہاتھوں میں کتاب تھامی ہاتھ تھر تھرا رہے تھے جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ اُٹھایا ہو۔ بڑی مشکل سے تکیے پر سے سر بھی کچھ اُٹھایا اور ناتواں جسم کی ساری آخری قوت صَرف کر کے کتاب کو اس پاس والی بڑی انگیٹھی میں پھینک دیا جس میں کوئی ڈھائی بجے نوکر نے بہت سے کوئلے ڈالے تھے اور میاں کو سوتا جان کر دوسرے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔

کتاب جلنے لگی۔ اس کی نظر اسی پر جمی تھی۔ جِلد کے جلنے میں دیر لگی۔ پھر اندر کے کاغذوں میں آگ لگی تو ایک شعلہ اُٹھا۔ اس کی روشنی میں اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی اور چہرے پر

Picture 3

عجیب اطمینان۔ اُدھر موذّن نے اشہد انَّ مُحمّدَ الرَّسُول اللہ کہا۔ اور نیکیوں کے اس کارواں سالار کی رسالت کے اعلان کے ساتھ ہی اس کی امّت کے اس نیک راہ رو نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند لیں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین

معنی یاد کیجیے

بُہتیرے	:	بہت سارے
سپرد کرنا	:	حوالے کرنا
اجرت	:	بدلہ، معاوضہ
موٹا جھوٹا	:	بہت معمولی، جو سستا ہو
دال دلیا	:	معمولی کھانا
گذر کرنا	:	معمولی طریقے سے زندگی گذارنا
گزی گاڑھے	:	ایک قسم کا معمولی موٹا کپڑا
کھِیلیں	:	کھیل کی جمع، بھُنا ہوا اناج جو چٹخ کر پھول گیا ہو
احباب	:	ساتھی، دوست
رنگ رلیاں	:	عیش و عشرت
دُھن کا پکّا ہونا (محاورہ)	:	ارادے کا پکّا ہونا
مکھی چوس	:	بہت ہی کنجوس
چُپ چپاتے	:	خاموشی کے ساتھ، چھپ کر، کسی کو بتائے بغیر
مستحق	:	ضرورت مند، حق دار
سخاوت	:	دوسروں پر زیادہ خرچ کرنا، دریا دلی
قومی کام	:	قوم کی بھلائی کے کام
یک سوئی سے	:	بہت توجہ کے ساتھ، اطمینان
سَر لینا	:	ذمّے لینا
خفا	:	ناراض
ٹھیس لگنا	:	دُکھ پہنچنا
سُبک	:	نازک، ہلکی

پشتے	:	وہ چمڑا یا کپڑا جس میں کتاب کے پُٹھّے جوڑے جاتے ہیں
درج	:	لکھا ہوا
کیفیت	:	تفصیل، حالت
ناظم	:	انتظام کرنے والا، منتظم
نسخہ	:	مراد کتاب
جزائے خیر (دعائیہ کلمہ)	:	اچھا بدلہ
اندراج	:	درج کیا ہوا
شاخ	:	برانچ، کسی بڑے ادارے کا چھوٹا حصّہ جو اسی نام سے کسی دوسری جگہ قائم ہو
تمدّنی ہستی	:	تہذیبی پہچان
ورق گردانی	:	ورق پلٹنا
سو سُنار کی ایک لوہار کی (کہاوت)	:	وہ ایک بڑی بات جو سو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھاری پڑے
ہزار دفعہ	:	کئی بار
جی خون کرنا (محاورہ)	:	سخت تکلیف پہنچانا
غفلت	:	بے ہوشی جیسی حالت
حالت غیر ہونا (محاورہ)	:	حال خراب ہونا
عظیم الشان	:	بڑی شان والا
ناتواں	:	کمزور
خفیف	:	ہلکی
اشهد انَّ مُحمّدَ الرَّسول الله	:	میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں

موذّن	:	اذان دینے والا
کارواں سالار	:	قافلے کا سردار
رسالت	:	رسول ہونا
اُمّت	:	وہ قوم جو کسی رسول کی پیروی کرے

سوچیے اور بتائیے

1. نیک آدمی میں کیا خوبیاں تھیں؟
2. لوگ اس نیک آدمی کو بُرا کیوں کہتے تھے؟
3. بعض لوگ اس کی دولت سے کیوں جلتے تھے؟
4. وہ نیک آدمی اپنی دولت کن کاموں پر خرچ کرتا تھا؟
5. وہ سیدھے ہاتھ سے دیتا تو الٹے ہاتھ کو خبر نہ ہوتی اس جملے کا کیا مطلب ہے؟
6. نیک آدمی کی ''حسابِ امانت'' میں کیا درج تھا؟
7. لوگوں کی باتوں سے تنگ آ کر نیک آدمی کیا کرتا تھا؟
8. نیک آدمی کا ارادہ کیا تھا؟
9. نیک آدمی نے آخری وقت میں اپنے ارادے پر عمل کیوں نہیں کیا؟

اس سبق میں لفظ امانت دار آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں امانت رکھنے والا۔ نیچے دیے ہوئے لفظوں کے آگے 'دار' لگا کر لفظ بنائیے

دم سمجھ شان عزّت خبر طرح وفا ہوا جان خار

نیچے دیے ہوئے محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے

دُھن کا پکّا ہونا　ٹھیس لگنا　جی خون ہونا　سر نہ اٹھنا　حالت غیر ہونا

لکھیے

نیک آدمی کی کہانی اپنے لفظوں میں لکھیے
اس کہانی کا کوئی نیا عنوان لکھیے

غور کرنے کی بات

- ''اس نیک آدمی کے پاس بڑی دولت تھی۔ مگر یہ ان لوگوں میں تھا جو اپنے دھن دولت کو اپنا نہیں سمجھتے بلکہ اللہ میاں کی امانت جانتے ہیں۔ جو بس اس لیے ان کے سپرد کی جاتی ہے کہ اسے اس کے بندوں پر صَرف کریں۔ خود ان کی اُجرت یہ ہے کہ اس میں سے یہ بھی بس موٹا جھوٹا پہن لیں اور دال دلیا کھا کر گذر کر لیں''۔
اس عبارت میں مصنّف نے نیک لوگوں کی کتنی اچھی تعریف کی ہے کہ وہ نیک لوگ جنھیں اللہ نے دولت دی ہے مغرور اور گھمنڈی نہیں ہوتے بلکہ اپنی دولت کو ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کے لیے اللہ کی امانت سمجھتے ہیں اور خود سادہ زندگی گزارتے ہیں۔
- ''آؤ آج تمھیں ایک بہت اچھے آدمی کا حال سنائیں جسے اس کے جیتے جی بہتیرے لوگ بُرا بُرا کہتے تھے۔''
یہ آپ کے سبق کا پہلا جملہ ہے۔ اِس جملے میں لفظ ''بُرا'' دو بار ایک ساتھ آیا ہے۔ لفظ کے دو بار ایک ساتھ آنے کو تکرار کہتے ہیں جیسے ساتھ ساتھ بیٹھنا، بار بار کہنا، مزے مزے کی باتیں وغیرہ۔